جاری کردہ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جنوری 2000

مُدیر

پروفیسر خورشید احمد

اِدارۂ ترجمان القرآن

ماہنامہ ترجمان القرآن

جلد: ۱۲۷، عدد: ۱، جنوری ۲۰۰۰، شوال ۱۴۲۰ھ

مدیر: پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر: مسلم سجاد

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

فون: ۵۴۲۵۳۵۶

فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴

E-mail: tarjuman@pol.com.pk

مدیر انتظامی

عبدالکریم

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون: ۷۵۸۷۹۱۶-۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ: ۱۵ روپے

زر سالانہ: ۱۵۰ روپے

بھارت ۳۰۰ روپے

بنگلہ دیش، ایران ۴۵۰ روپے

مشرق وسطیٰ، یورپ

مشرق بعید، افریقہ ۶۵۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۰۰ روپے

ترقی کا راز

ایک قوم سے دوسری قوم کو اگر کوئی چیز لینی چاہیے اور کوئی چیز درحقیقت لینے کے قابل ہے تو وہ محض اس کی علمی تحقیقات کے نتائج' اس کی تخلیقی و اختراعی قوتوں کے ثمرات' اور اس کے وہ عملی طریقے ہیں جن سے اس نے دنیا میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کی تاریخ میں' یا اس کی تنظیمات میں' یا اس کے اخلاقیات میں اگر کوئی مفید سبق ہے تو اسے ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ اس کی ترقی اور کامیابی کے اسباب کا پوری چھان بین کے ساتھ استقصا [انتہائی کوشش] کرنا چاہیے' اور ایک ایک چیز جو مفید ہو' اسے لے لینا چاہیے۔ یہ چیزیں انسانیت کی مشترک میراث ہیں۔ ان کی قدر نہ کرنا' اور ان کے لینے میں قومی عصبیت کی بنا پر بخل کرنا محض جاہلیت ہے۔ لیکن ان چیزوں کو چھوڑ کر دوسری قوم سے اس کے پہننے کے کپڑے اور اس کے رہنے سہنے کے طریقے اور اس کے کھانے کی چیزیں مانگنا' اور ان ہی کو ترقی کا ذریعہ سمجھنا' بجز اس کے کہ کند ذہنی کی علامت ہے اور کچھ نہیں۔

کیا کوئی عقل مند ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور کر سکتا ہے کہ یورپ نے کوٹ' پتلون' ٹائی' کالر' ہیٹ اور بوٹ کے ذریعے سے ترقی کی ہے؟ یا اس کی ترقی کے اسباب یہ ہیں کہ وہ چھری کانٹے سے کھانا کھاتا ہے؟ یا اس کی تزئین و آرایش کے سامان' پاؤڈر اور لپ اسٹک اور کاسمیٹکس وغیرہ اس کو اڑا کر ترقی کے آسمان پر لے گئے ہیں؟ یہ بات اگر نہیں ہے' اور ظاہر ہے کہ نہیں ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ اصلاح و ترقی کا نام لینے والے سب سے پہلے انھی چیزوں کی طرف لپکتے ہیں؟ کیوں ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یورپ کی زندگی میں یہ چمک دمک جو نظر آتی ہے یہ دراصل صدیوں کی پیہم جدوجہد کا ثمرہ ہے' اور جو قوم بھی لگاتار محنت اور صبروعزم کے ساتھ کام کرے گی اس کی زندگی اسی طرح قابلِ رشک ہو سکتی ہے جس طرح آج یورپ کی زندگی پر رشک کیا جاتا ہے؟

ان دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک قوم کا کسی دوسری قوم کے لباس و معاشرت کو اختیار کرنا ایک غیر طبعی اور غیر معقول حالت ہے' اور اس میں کسی پہلو سے بھی کوئی معقولیت نہیں ہے (سیدابوالاعلیٰ مودودی' "لباس کا مسئلہ"' ترجمان القرآن' جلد ۱۵' عدد ۵' ذی القعدہ ۱۳۵۸ھ' جنوری ۱۹۴۰' ص ۳۶۲-۳۶۳)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

تحریک اسلامی اور عالمی تناظر

قاضی حسین احمد

جماعت اسلامی قومی اور بین الاقوامی دائروں میں جن پالیسیوں پر عمل پیرا ہے' ان کے بارے میں مختلف آرا کا اظہار کیا جاتا ہے۔ موجودہ عالمی تناظر میں جماعت اسلامی کی پالیسی کیا ہونی چاہیے؟ پاکستان اور بھارت کے حوالے سے کیا جماعت اسلامی کو کوئی نئی حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے؟ خاص طور پر کشمیر میں جو جہاد اس وقت برپا ہے' اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ جماعت اسلامی اس میں کیا نتائج حاصل کرنے کے لیے سرگرم عمل ہے؟ یہ ایسے اہم اور بنیادی سوالات ہیں' جن کے بارے میں ہر سوچنے والا شخص' خاص طور پر جسے اسلامی تحریک کے مستقبل سے دلچسپی ہے' سوال کرتا ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ عالمی تناظر میں اسلامی تحریکوں کے پورے لائحہ عمل کو سامنے رکھ کر اس میں مقامی سطح کے مسائل کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

کسی بھی جگہ اسلامی تحریک کی حکمت عملی سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ چند اساسی اور بدیہی حقائق کو سامنے رکھا جائے۔

۱۔ کسی بھی معاملے میں کوئی روش اختیار کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس بارے میں قرآن و سنت سے ملنے والی راہنمائی کیا ہے' اس لیے کہ ایک مسلمان کے نزدیک قرآن و سنت آخری پیغام ہے جو اللہ نے انسانیت کی راہنمائی کے لیے قیامت تک ایک ہی واحد راستے کے طور پر بھجوایا ہے۔

۲۔ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور اس کے پاس ایک عالم گیر پیغام ہے اور یہ پیغام ساری انسانیت کے لیے ہے۔

۳۔ موجودہ دنیا کی جو جغرافیائی تقسیم ہے اور جو قومی ریاستیں بنی ہوئی ہیں' ہم فی الوقت ان کی جغرافیائی حدود کے اندر رہتے ہوئے اور ان کے آئین اور قانون کا احترام کرتے ہوئے ہی پرامن دعوتی جدوجہد جاری رکھ سکتے ہیں۔

اس جدوجہد میں عدل و انصاف کے بنیادی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف مسائل کے بارے میں پالیسی طے کرتے ہیں۔

اسلامی تحریکیں مختلف ممالک کے مخصوص جغرافیائی اور سیاسی حالات کی وجہ سے پوری دنیا میں کوئی ایک لائحہ عمل طے کر کے ایک تنظیم کی صورت میں کام نہیں کر سکتیں۔ اس لیے وہ ہر ملک کے حالات کے پیش نظر الگ الگ حکمت عملیاں اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ جہاں مطلق العنان بادشاہتیں قائم ہیں یا آمرانہ نظام حکومت ہے اور جماعت سازی اور اظہار رائے پر پابندی ہے' وہاں' اور جس جگہ کھلی آزادی ہے' جماعت بنانے کی اور پریس کی آزادی ہے اور قانون کی حکمرانی ہے' دونوں مقامات میں الگ الگ حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہندستان ایک غیر مسلم اکثریت کا ملک ہے اور پاکستان ایک مسلم اکثریت کا ملک ہے جس کا دستور بھی اسلامی ہے اور قرارداد مقاصد کے تحت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قرآن و سنت کی راہنمائی کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ان دونوں ممالک کی اسلامی تحریکیں ایک پالیسی کے تحت کام نہیں چلا سکتیں۔ دونوں ممالک میں باہمی تنازعات ہیں اور کشمیر جیسا مسئلہ موجود ہے' اس کے بارے میں بھی دونوں ممالک کی اسلامی تحریکوں کی اپنی مصلحتیں ہیں' لیکن دونوں ممالک کی تحریکیں اسلامی اصولوں کے باعث اس بات کی پابند ہیں کہ ان کا موقف حق پر مبنی ہو۔

اگر عالمی تناظر کو پیش نظر رکھا جائے تو ایک طرف امریکہ کے مقاصد ہیں' جو اپنی واحد سپرپاور کی حیثیت منوانا چاہتا ہے' اور اس کی کوشش ہے کہ دنیا بھر کے تمام تنازعات اس کی مرضی کے مطابق حل ہوں۔ وہ دنیا کے لیے جو نقشہ مرتب کرے' سارا عالم اس کے مطابق چلے۔ امریکہ کی خواہش ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی اور برابر کی طاقت نہ ابھر سکے اور دوسری تمام ان طاقتوں کو' جن میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ قریب یا دور کے مستقبل میں اس کے لیے چیلنج بن سکتی ہیں' زیادہ طاقت ور بننے سے روکا جائے۔ مستقبل قریب میں اسے یہ خدشہ عوامی جمہوریہ چین سے ہے' اس لیے چین کا گھیراؤ کرنا' اس کے گرد حصار باندھنا اور اسے اندر سے توڑنا امریکہ کی ایسی بنیادی خواہش ہے جو مشرق بعید' جنوبی ایشیا اور وسطی ایشیا میں اس کی پالیسیوں کو متاثر کرتی ہے۔ سابق سوویت یونین کو توڑنے اور روس کو اقتصادی طور پر زیر کرنے کے بعد اس کی کوشش ہے کہ روس دوبارہ طاقت حاصل نہ کر سکے اور داخلی پریشانیوں میں الجھا رہے۔

امریکہ کے لیے بہت بڑا نظریاتی چیلنج جو دور کے مستقبل میں اس کے سامنے ہے اور مشرق وسطی اور عالم اسلام میں اس کی پالیسیوں کا محور ہے' وہ عالم گیر اسلامی تحریک کا وجود ہے۔ امریکہ میں پالیسی پر اثرانداز ہونے والے دانشوروں کی غالب اکثریت اسلامی تحریک کو انسانیت کی فلاح کے لیے ایک مثبت کوشش اور طاقت ماننے سے منکر ہے۔ اس کے برعکس وہ اسے عالمی امن کو تباہ کرنے کا سب سے بڑا عامل

سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان دانشوروں کی رہنمائی کی وجہ سے اسلام کو تشدد' انتہا پسندی اور عسکریت کا مترادف قرار دینا مغربی میڈیا کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ مغرب کی یہ کوشش ہے کہ عالم اسلام متحد نہ ہونے پائے اور اسلامی تحریکوں کو اپنے اپنے ممالک میں بدنام کیا جائے اور مسلمانوں کے حکمرانوں کو آلہ کار بنا کر خود مسلمانوں کے وسائل کو اپنے اپنے ملک میں اسلامی تحریکوں کے خلاف استعمال کیا جائے۔ عوام اور حکومتوں میں خلیج پیدا کی جائے۔ خاص طور پر مسلمان ممالک کی افواج اور عوام کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیا جائے۔

امریکہ کا منصوبہ ہے کہ کمزور اور چھوٹے ممالک کو علاقائی منی سپر پاورز کی سرپرستی میں دے دیا جائے۔ اس کے لیے مسلمانوں کے علاقے میں ایک طرف اسرائیل اور دوسری طرف بھارت کو منی سپرپاور بنایا جائے اور دونوں کے تعاون سے انڈونیشیا سے لے کر ترکی تک تمام مسلمانوں کو کنٹرول کیا جائے۔ مسلمانوں میں کسی کو بھی امریکہ فوجی لحاظ سے اپنے دفاع کے قابل نہیں دیکھنا چاہتا اور سیاسی اور معاشی طور پر بھی وہ انھیں اپنا دست نگر رکھنا چاہتا ہے۔ امریکہ اپنے اس منصوبے کے تحت جنوبی ایشیا میں بھارت کو منی سپرپاور بنانے میں دل چسپی رکھتا ہے۔ چین کے خلاف بھی اسی طرح سے یہ حصار مکمل ہو سکتا ہے کہ بھارت کے ذریعے پاکستان اور بنگلہ دیش کو عالم اسلام سے کاٹ کر بھارت ہی کی سرپرستی میں دے دیا جائے تاکہ پورے بلاک کو چین کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ اسی طرح عرب ممالک کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر اسرائیل کو اس علاقے میں منی سپرپاور بنایا جائے۔ بھارت اور اسرائیل دونوں کو امریکی سرپرستی حاصل ہے۔

دوسری طرف روس سے آزاد ہونے والے مسلمان علاقے یعنی وسطی ایشیا کی مسلمان جمہوریتوں اور قفقاز کے علاقے میں انتشار برپا کر کے ان کو غیر مستحکم رکھا جائے تاکہ ترکی سے لے کر پاکستان تک کے مسلمان ممالک جن میں ترکی' ایران' افغانستان اور وسط ایشیا کی چھ مسلمان جمہوریتوں کے علاوہ قفقاز اور تاتارستان کے مسلم علاقے شامل ہیں' مستقبل بعید میں بھی ایک اقتصادی' تہذیبی اور سیاسی وحدت بننے کی طرف قدم نہ بڑھا سکیں۔ اسلام دشمن طاقتیں اس بات کو بھی یقینی بنانا چاہتی ہیں کہ مراکش اور یمن تک پھیلا ہوا عالم عرب' اور مشرقی یورپ سے لے کر مشرقی ترکستان تک پھیلی ہوئی ترک اقوام آپس میں اکٹھی نہ ہو سکیں۔ ان کی زبان' علاقہ اور نسل ایک ہے لیکن ان کو آپس میں منتشر رکھا گیا ہے۔ اسی طرح انڈونیشیا' ملائیشیا' بنگلہ دیش اور پاکستان بڑی بڑی مسلم آبادیاں ہیں' انھیں بھی داخلی طور پر عدم استحکام کا شکار رکھا گیا ہے۔

اس وقت مسلم دنیا کے علما' دانشوروں' پالیسی ساز اداروں اور اسلامی تحریک کے لیے مستقبل کا لائحہ عمل طے کرنے والوں کے سامنے اہم ترین سوال یہ ہے کہ انتشار کی جو کیفیت اس وقت عالم اسلام میں نظر آ رہی ہے' کیا اسے ہمیشہ کے لیے ایک امرِواقعہ کے طور پر تسلیم کر لیا جائے یا پالیسی طے کرتے وقت اس

امکان کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ عرب ممالک' ترک ممالک' افریقہ کے مسلمان ممالک جن میں نائیجریا اور سوڈان جیسے بڑے ممالک شامل ہیں۔ انڈونیشیا' ملایشیا' بنگلہ دیش' افغانستان اور پاکستان' مستقبل کے کسی دور میں مخلصانہ طور پر بیرونی اثرات سے آزاد ہو کر معاشی' تہذیبی اور سیاسی تعاون کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس سوال کے درست جواب کی روشنی میں ہم اپنا درست لائحہ عمل بنا سکتے ہیں۔

عالم اسلام کی بیسویں صدی کے اوائل کی اور موجودہ صورت حال کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ جیسے غلبہ اسلام کا کوئی منصوبہ مرحلہ بہ مرحلہ زیر تکمیل ہے۔ احیاے اسلام کی تحریکوں نے اپنا ایک مقام بنا لیا ہے۔ اس لیے مغرب کا ہدف ہیں۔ یہ کئی ممالک میں عوام کی امیدوں کا مرکز بن گئی ہیں۔ کئی ممالک میں اسلامی نظام کے تجربات ہو رہے ہیں۔ کش مکش کا یہ دور مستقبل کے لیے ایک اچھی علامت ہے۔

اس بات کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ عالم اسلام ایک حقیقت ہے اور اسلام' ایک بڑی قوت اور مستقبل کے نظام کے طور پر' نہ صرف عالم اسلام کی بلکہ پورے عالم انسانیت کی ضرورت ہے۔ اس وقت ذرائع ابلاغ کی تیز رفتاری کی وجہ سے تمام دنیا کے انسان ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ دنیا ایک عالمی گاؤں بن گئی ہے اور اس میں رہنے والے ایک خاندان بن گئے ہیں۔ ان کے باہمی رابطے بڑھ گئے ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا ایک اکائی ہو گئی ہے اور ٹکنالوجی کی مسلسل ترقی کے نتیجے میں یہ ملاپ اور زیادہ قوی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جغرافیائی سرحدیں نظریات' خیالات' افکار اور عقائد کو پابند نہیں کر سکتیں۔ اگر بے حیائی اور فحش پھیل رہا ہے تو دوسری طرف انسانیت کے لیے مفید علم اور آداب بھی پھیل رہے ہیں۔ مضطرب انسانیت کو جس حق کی تلاش ہے' اس حق کو ہمیشہ کے لیے اوجھل نہیں رکھا جا سکتا۔ جھوٹے پروپیگنڈے کا گردوغبار جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا اور باطل کے ہتھکنڈے بھی جو شیطان کا پھیلایا ہوا عنکبوت کا گھروندا ہے' یہ بہت ہی کمزور گھروندا ہے' اسے بھی بالآخر ختم ہو جانا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تحریک اسلامی کے رہنما ہر جگہ اپنی حکمت عملی طے کرتے وقت صبر اور حکمت سے کام لیں اور یقین و ایمان سے سرشار ہو کر پیش قدمی کرتے رہیں۔

بعض لوگ اس بات کو ایک امر واقعہ کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ یہ ایک "یک قطبی" دنیا ہے۔ بالآخر امریکہ غالب ہو کر رہے گا۔ امریکہ نے پوری دنیا کے لیے جو حکمت عملی ترتیب دی ہے' اسے ہی کامیاب ہونا ہے۔ خوف زدہ کرنے کے لیے وہ یہ تاثر پھیلاتے ہیں کہ امریکہ اپنے سیٹلائٹ کیمروں کے ذریعے سے انسان کے ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی بھی دیکھ رہا ہے اور پوری دنیا میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی مادی حرکت بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح امریکہ کو قادر مطلق اور عالم الغیب والشہادۃ بنا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ ساری دنیا کے لوگ اس غلامانہ کیفیت میں مبتلا ہو جائیں اور امریکہ کے

سامنے سرتسلیم خم کر کے اپنی آزادی سے دست بردار ہو جائیں اور اپنے آپ کو اس کے مفادات کا تابع بنا لیں اور اس کی عالمی مصلحتوں کو پورا کرنے میں اپنی عافیت سمجھیں۔ امریکہ کے مفادات کے لیے کام کرنے والے کارندے پوری دنیا میں تمام کمزور اقوام اور عوام کو یہی سمجھا رہے ہیں کہ سیاست یہ ہے کہ امریکہ کی مصلحت کو سامنے رکھ کر اس کی خوشنودی کے ساتھ اپنے لیے علاقے میں کوئی مقام بنایا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ خود اخلاقی اور تہذیبی انتشار کا شکار ہے۔ معاشی اعتبار سے بھی ابھی دس سالہ کساد بازاری سے نکلا ہے مگر معیشت غیر مستحکم اور مالی اعتبار سے ایک غبارے کی مانند ہے جس سے کبھی بھی ہوا نکل سکتی ہے۔ عسکری اعتبار سے بظاہر مضبوط ہے لیکن جو فوج مرنے سے ڈرتی ہو وہ کوئی عالمی کردار ادا نہیں کر سکتی' خصوصیت سے اپنی سرحدوں سے دور۔ کہنے کو تو وہ ایک سپرپاور ہے لیکن اس کے دائمی غلبے کا تصور ایک واہمہ ہے۔

اگر پاکستان میں ہم امریکہ کی بالادستی تسلیم کر لیں اور اس لابی کی نصیحت تسلیم کرنے میں اپنی عافیت سمجھیں تو ہمارے لیے سیدھا سادا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے ایٹمی پروگرام سے دست بردار ہو جائیں' میزائل ٹکنالوجی کے کام کو آگے بڑھانا چھوڑ دیں' فوجوں کی تعداد اس حد تک کم کریں کہ ہماری داخلی سیکورٹی کے لیے کافی ہو اور بھارت کے لیے کوئی چیلنج نہ رہے' علاقے میں بھارتی بالادستی تسلیم کر لیں اور کشمیر کا کوئی ایسا حل مان لیں جو بھارت اور امریکہ کے لیے قابل قبول ہو' جس میں کنٹرول لائن کو مستقل سرحد بنانے کی تجویز بھی شامل ہے۔

ہمارے ملک میں ایک ایسی بھارت نواز لابی موجود ہے جو بھارت سے دوستی کے پردے میں بھارتی بالادستی کے لیے استدلال پیش کرتی رہتی ہے۔ بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ انھیں مسلم امت اور پاکستان سے زیادہ بھارت کے مفادات عزیز ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ بھارت اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ اس وقت وہاں ۱۷ مرکز گریز تحریکیں چل رہی ہیں جو آزادی یا نیم آزادی کی داعی ہیں۔ پاکستان ساری خرابیوں اور کمزوریوں کے باوجود معاشی اعتبار سے بھارت سے بہتر ہے۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ ۹۹-۱۹۹۸ کے مطابق پاکستان میں سالانہ فی کس آمدنی ۴۹۰ ڈالر تھی' جب کہ بھارت میں یہ ۳۹۰ ڈالر سالانہ تھی۔ غربت کی صورت حال بھی بھارت میں زیادہ ہی خراب ہے۔ پاکستان میں آبادی کا ۳۴ فی صد خط افلاس کے نیچے ہے' جب کہ بھارت میں ۴۱ فی صد۔ پاکستان میں ایک ڈالر روزانہ آمدنی والے افراد آبادی کا ۱۱.۶۱ فی صد تھے' جب کہ بھارت میں ۵۲.۵ فی صد۔ اسی طرح دو ڈالر یومیہ آمدنی سے کم والی آبادی کا تناسب پاکستان میں ۵۷ فی صد تھا اور بھارت میں ۸۸.۸ فی صد۔ بھارت جو کچھ اپنے دفاع پر خرچ کر رہا ہے اس کے نتیجے میں اس کا حشر روس سے مختلف نہیں ہو سکتا۔ دیکھنے والوں کو یہ سب کچھ نظر آ رہا ہے۔

اگر اس لابی کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان عالم اسلام کی قیادت نہ

کرے اور قوموں کی صف میں اپنے لیے ممتاز اور نمایاں مستقبل تلاش کرنے کی کوشش سے باز آجائے' افغانستان اور وسطی ایشیا کی طرف نہ دیکھے اور اس پورے علاقے کو امریکہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دے' یا زیادہ سے زیادہ امریکی آلہ کار کے طور پر بھارت کی سرپرستی میں رہ کر وسط ایشیا اور افغانستان میں وہ رول ادا کرے جو یہ دونوں طاقتیں مل کر اسے تفویض کریں۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ پاکستان یا تحریک اسلامی کے لیے اس حکمت عملی کو اپنالیں۔ ہم اسلام کو اللہ کی طرف سے آخری پیغام سمجھتے ہیں۔ اسے انسانیت کی فلاح کا ضامن سمجھتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان کو اسلام کے دامن میں ہی سکھ اور چین مل سکتا ہے۔ پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کے لیے بھارت اور امریکہ سے سیاسی' تہذیبی اور معاشی آزادی ضروری ہے جس کے لیے اقتصادی خود کفالت اور دفاعی قوت کا حصول ایک ناگزیر امر ہے۔ اگر ہم کشمیر سے دست بردار ہو کر کشمیری مجاہدین کا ساتھ چھوڑ دیں اور کشمیر کو بھارت کے حوالے کر دیں تو یہ ہمارے زوال اور پستی کا آغاز ہو گا۔ بھارت اس پر اکتفا نہیں کرے گا کیونکہ غاصب فتح کے بعد قناعت نہیں کرتا بلکہ پاکستان کو مکمل طور پر باج گزار طفیلی ریاست بنانے کے لیے آگے بڑھے گا۔ پاکستان میں سائنس اور ٹکنالوجی کے فروغ کی کوشش ہو رہی ہے جس کی وجہ سے ہمہ جہت سائنسی ترقی کی طرف قوم متوجہ ہے' اس کی ایک وجہ عالمی سطح پر بھارت کے مقابلے کا داعیہ ہے۔ بھارتی بالادستی تسلیم کرنے کے بعد یہ داعیہ ختم ہو جائے گا۔ اپنے دفاع کو بھارت کے حوالے کر کے آگے بڑھنے کا جذبہ ماند پڑ جائے گا۔ پھر اقتصادی لحاظ سے پاکستان کا استحصال کیا جائے گا۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ امریکہ نہیں چاہتا کہ پاکستان اور بھارت میں مفاہمت ہو اور دونوں مل کر امریکہ پر دباؤ ڈالیں' مگر یہ لوگ چین کے گرد امریکی حصار کی بات کرتے ہیں جس کے لیے بھارت امریکہ اور روس کی مشترکہ حکمت عملی یہ ہے کہ پاکستان کا ایٹمی میزائل پروگرام راستے سے ہٹ جائے تاکہ جنوب سے چین کا محاصرہ کر لیا جائے۔ عالم اسلام کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا یہ پورا کام پاکستان اور بھارت کی مفاہمت سے نہیں' بلکہ پاکستان کو ایک طفیلی ریاست اور بھارت کو علاقائی منی سپرپاور بنا کر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ امریکہ' پاکستان اور بھارت میں مفاہمت نہیں چاہتا۔ اگر بھارت کے ارباب دانش اپنے حکمرانوں کو یہ سمجھا سکیں کہ وہ پاکستان اور چین سے اپنے تعلقات درست کر کے بھارت کو امریکی اثرات سے بچائیں تو اس کے لیے واحد راستہ یہ ہے کہ وہ کشمیر میں اپنی ہٹ دھرمی' اور کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ کہنے کی عادت چھوڑ دیں اور کشمیریوں کی خواہش کے مطابق کشمیر کا فیصلہ کرنے دیں۔ اس طرح سے بھارت اور پاکستان کی مفاہمت کے ذریعے سے اس علاقے میں امریکہ کی مداخلت کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔ بھارت یہ اس لیے نہیں چاہتا کہ وسطی ایشیا کی مسلمان ریاستیں افغانستان' ایران' ترکی

اور پاکستان مل کر ایک بڑی سیاسی اور اقتصادی طاقت ہیں۔ بھارت مستقبل کی اس طاقت سے خوف زدہ ہے۔ بھارت میں پندرہ کروڑ سے زائد مسلم آبادی ہے۔ بھارت کے نچلے طبقات کے عوام اور مسلمان مل کر برہمن حکمران اور کھتری طبقات کے مقابلے میں اکثریت میں ہیں۔ اس لیے اسلامی بنیاد پرستوں کا بھوت مغربی طاقتوں کی طرح بھارت کے سر پر بھی سوار ہے۔

ہمیں اپنی مختصر عمر میں بھی یہ سبق ملا ہے کہ بڑی طاقتیں ہمیشہ بڑی نہیں رہتیں۔ حالات کا اتار چڑھاؤ بڑوں کو چھوٹا اور چھوٹوں کو بڑا بنا دیتا ہے۔ ہماری زندگی کے اندر سورج غروب نہ ہونے والا برطانیہ ایک چھوٹی طاقت بنا' اور پھر سب سے بڑی فوجی طاقت روس' داخلی انتشار کا شکار اور اقتصادی طور پر بھی تباہ و برباد ہوا۔ وہ یورپی ممالک جو ہمیشہ سے آپس میں برسرپیکار رہے ہیں اور پھر ان کی سیاسی رقابتوں کے باعث دنیا پہلی اور دوسری جنگ عظیم کا شکار ہوئی' یہ ممالک آج کل ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں اور یورپی یونین کا قالب اختیار کر رہے ہیں۔

کوئی بعید نہیں کہ اسلام کے عالم گیر نظریے اور متحرک تعلیمات سے سرشار اسلامی تحریکوں کی راہنمائی میں عالم اسلام کا موجودہ انتشار مستقبل قریب میں کسی باہمی مفاہمت کی تحریک میں تبدیل ہو جائے اور اس وقت جو برائے نام او آئی سی موجود ہے وہ مستقبل میں چل کر اقتصادی' دفاعی اور سیاسی تعاون کے ایک بلاک میں ڈھل جائے کہ جس میں پاکستان' افغانستان' ایران' ترکی' وسطی ایشیا کی چھ ریاستوں پر مشتمل ایکو (ECO) طرز کا بلاک بن جائے جو مسلمانوں کی مشترکہ تہذیبی اور سیاسی یک جہتی کا اظہار ہو۔ بھارتی اور مغربی لابی کی پوری کوشش ہے کہ وہ ان سارے امکانات کو دیوانے کی بڑ قرار دے دیں اور اسلامی تحریکوں کو اس کی طرف بڑھنے اور اس کا خواب دیکھنے کے بجائے غلامی کا خوگر بنا دیں اور حقیقت پسندی کے نام سے بھارت' امریکہ اور یورپین اقوام کی بالادستی کا سبق پڑھائیں۔

جو لوگ کشمیر کے جہاد ہونے میں شک کر رہے ہیں' ان کے دلائل بہت بودے اور کمزور ہیں۔ کشمیر کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک آبادی کو بالکل ناجائز تشدد اور فراڈ کے ذریعے بھارت نے زبردستی اپنے فوجی تسلط میں رکھا ہوا ہے۔ مسلمان اس تسلط کے خلاف مزاحمت کر رہے ہیں۔ قرآنی نص کی رو سے تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ان مظلوم اور مقہور مسلمانوں کی مدد کو پہنچیں۔ یہی کام جماعت اسلامی کر رہی ہے اور یہی کام اسلامی تحریکیں کر رہی ہیں۔ کشمیر کا جہاد ہر لحاظ سے اسلامی جہاد ہے اور جو بھی کسی طریقے سے ان کی مدد کر سکتا ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ کی تعریف میں آتا ہے۔ کچھ لوگ اس میں قیمتی جانوں اور اسلام کے جذبہ سے سرشار نوجوانوں کی قربانی کو ضائع قرار دے رہے ہیں' حالانکہ جہاد کی کھیتی ایسی ہے کہ

جو کٹنے سے بڑھتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے واقعے میں ایک تمثیل کے ذریعے یہ بات بتائی گئی۔

کچھ لوگ جہاد میں ناکامی کے اندیشے کھڑے کر کے' بھارت کی شرائط تسلیم کرنے کو دانش مندی اور عملیت پسندی کا تقاضا قرار دیتے ہیں۔ کشمیر کی موجودہ صورت حال میں سب کو نظر آ رہا ہے کہ بھارت وہاں زیادہ دیر اپنا تسلط نہیں رکھ سکتا۔ گذشتہ ۱۰' ۱۲ سال میں بھارت کو وہاں کافی زک پہنچی ہے۔ اگر عالم اسلام کے حکمران مسلمانوں کی عزت و آزادی کے لیے اقدامات کریں' اگر پاکستان کی حکومت جہاد کا کھلا ساتھ دے' امریکی عزائم کی خاطر قدم پیچھے نہ ہٹائے' تو یہ جہاد مختصر ہو سکتا ہے۔ مجاہدین کی فتح تو نوشتہ دیوار بن کر نظر آتی ہے۔ جو لوگ بھارت کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بات کرتے ہیں ان کی مانی جائے تو کہیں سے بھی ظلم کا راج کبھی ختم نہ ہو۔

موجودہ عالمی تناظر میں تحریک اسلامی کے لیے حکمت عملی طے کرتے وقت غیر ضروری رد و کد سے بچنا چاہیے۔ آج کی ضرورت یہ ہے' اور یہ انسانیت کا امت مسلمہ پر حق ہے کہ اسلام کو ایک عالم گیر نظریے اور انسانیت کے لیے مکمل فلاح کے نظام کے طور پر پیش کیا جائے۔ اسلام کے حوالے سے مخالفین عدم برداشت' تشدد اور دہشت گردی کا جو پروپیگنڈا کر رہے ہیں' اس کے توڑ کے ساتھ ساتھ اسلام کی حقانیت پر کامل یقین رکھا جائے اور نوجوان نسل کو اس یقین سے سرشار کیا جائے کہ دنیا کا مستقبل امریکہ کے ہاتھ میں نہیں' اللہ رب العالمین کے ہاتھ میں ہے۔ حکمت' دانائی اور ایمان کامل کے ساتھ اگر اللہ کے بھروسے پر آگے بڑھیں گے تو عالم اسلام ہر لحاظ سے ایک بڑی قوت ہے جس کے پاس افرادی اور مادی وسائل ہیں' جس کے پاس دنیا کا متصل بڑا رقبہ ہے' جو جغرافیائی لحاظ سے دنیا کا وسطی علاقہ ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے پاس ایک ایسا دین ہے جو فرد کو اپنی ذات سے اٹھا کر قربانی کے لیے آمادہ کرتا ہے اور رنگ و نسل کے تعصبات سے بالاتر کر دیتا ہے۔ ہمیں ہر طرح کے تعصب اور وہن (خوف) کے احساس سے آزاد ہو کر اور ایمان کامل سے مشرف ہو کر اپنی حکمت عملی طے کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بے وقت ہر طاقت سے ٹکراؤ کی پالیسی اختیار کریں۔ ہمارے پیش نظر رضائے الٰہی کے بعد عوام کی مصلحت ہونی چاہیے اور پھر اس کے بعد اس فریم ورک میں رہتے ہوئے دنیا کی طاقتوں سے برابری کی بنیاد پر روابط اور تعلقات بھی رکھنا چاہییں' لیکن اگر امریکہ' یورپ اور بھارت کو راضی کرنے کے لیے اپنے رب کو ناراض کر دیں اور اپنے مفادات چھوڑ کر ان کے مفادات کے لیے کام شروع کر دیں' تو اس سے اللہ بھی ناراض ہو گا اور یہ طاقتیں بھی راضی نہیں ہو سکیں گی۔

کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت علیؓ سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اپنے گھر والوں کو (ایک روایت میں بیویوں کے الفاظ بھی آئے ہیں) بیدار کیا کرتے تھے (مسند احمد)۔

حضرت علیؓ سے ایک دوسری سند کے ساتھ روایت ہے: جب آخری عشرہ داخل ہو جاتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے تھے اور اپنی ازار اٹھا لیتے تھے۔ ایک روایت میں کمر باندھ لینے کے الفاظ آئے ہیں (مسند احمد)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: جب آخری عشرہ داخل ہوتا' تو آپؐ ساری رات بیدار رہتے اور گھر والوں کو بیدار کرتے اور کمر باندھ لیتے (مسند احمد)۔

حضرت عائشہؓ سے دوسری سند سے روایت ہے: پہلے ۲۰ دنوں میں آپؐ نیند اور نماز کو خلط ملط کرتے تھے' یعنی رات کو کچھ وقت سوتے اور کچھ وقت نماز پڑھتے تھے۔ لیکن جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپؐ بہت کوشش کرتے (ساری رات قیام کرتے تھے) اور کمر باندھ لیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے ایک تیسری سند سے روایت ہے کہ آپؐ آخری عشرے میں جس قدر محنت کرتے تھے اتنی محنت دوسرے اوقات میں نہ کرتے تھے (مسند احمد)۔

حضرت زینب بنت ام سلمہؓ سے روایت ہے: جب رمضان کے ۱۰ دن رہ جاتے تھے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کسی ایسے فرد کو جو قیام کی طاقت رکھتا' اٹھائے بغیر نہیں چھوڑتے تھے (مسند احمد)۔

رمضان کا مہینہ بہت زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ یہ قرآن پاک کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت مہینہ کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے۔ اس کے اول کو رحمت' درمیان کو مغفرت' اور آخر کو عتق من النار "آگ سے آزادی" کہا گیا ہے۔ اس کے آغاز میں نیک لوگوں پر رحمت شروع ہوتی ہے۔ دوسرے عشرے میں رحمت گناہ گاروں کو اپنے دامن میں لے لیتی ہے' اور آخر میں اس کی وسعت ان لوگوں کو بھی اپنے اندر لے لیتی ہے جن کے لیے دوزخ کی آگ کا فیصلہ ہوا ہے۔ آخری عشرہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی انتہا اور وسعتوں کا عشرہ ہے۔ اس عشرے میں لیلتہ القدر کا زیادہ امکان ہے۔ اور اسی واسطے نبیؐ اس عشرے میں اپنے گھر والوں'

ازواج مطہرات سے بھی الگ ہو جاتے تھے۔ اور اس عشرے کی پوری پوری راتوں کو عبادت میں گزارتے تھے۔ پہلے اور دوسرے عشرے میں سوتے بھی تھے اور عبادت بھی کرتے تھے لیکن آخری عشرے کی راتوں میں ساری رات عبادت میں گزار دیتے تھے تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاتے تھے)۔ اور گھر والوں اور بچوں تک کو بھی بیدار کیا کرتے تھے۔ حدیث کے الفاظ ہیں: ہر اس فرد کو بیدار کرتے تھے جو بیدار ہونے کی قدرت رکھتا تھا۔

اس اسوہ رسولؐ کی ہم سب کو پیروی کرنا چاہیے۔

O

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں اپنی امت کے بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے روز تہامہ کے پہاڑوں کی طرح چمک دار نیکیاں لے کر آئیں گے' اللہ انھیں "ھباء منثورا" بکھرے ہوئے ذروں کی طرح کر دے گا۔ سنو! وہ تمھارے بھائی ہیں' تمھاری قوم سے ہیں' راتوں کو عبادت کریں گے جس طرح تم عبادت کرتے ہو۔ لیکن یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب تنہائی میں حرام چیزوں کے ساتھ ہوتے ہیں' تو ان کا ارتکاب کرتے ہیں (کنز العمال بحوالہ ابن ماجہ عن ثوبان' ۴۳۶۸۵)۔

نیکیاں کر کے ان کی حفاظت نہ کی جائے' تو پھر وہ ضائع ہو جاتی ہیں' ان کے وزن میں کمی آ جاتی ہے۔ نیکیوں کا ڈھیر ریت کے ذروں کی طرح بکھر جائے گا' اگر نیکیوں کے ساتھ حرام کاموں کا ارتکاب بھی ہوتا رہا۔ بہت سے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں' فرض' سنتیں اور نوافل بھی لیکن اس کے ساتھ غلط اور ناجائز اور حرام کام بھی کرتے ہیں۔ اگر یہ حرام کام بہت زیادہ ہوئے تو ساری نیکیوں کو ضائع کر دینے کا سبب بن جائیں گے۔ بہت سے لوگ نمازیں' فرض نفل اور تہجد پڑھ کر خوش ہو جاتے ہیں' زندگی کے باقی شعبوں کی انھیں پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ ان میں حرام کام کے مرتکب نہ ہوں۔ نمازیں' تلاوتیں اور ذکر اذکار اس وقت ضائع ہو جاتے ہیں جب حرام کام ان پر غالب آ جائیں۔ اس لیے اپنی نمازوں اور عبادتوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے' حرام کاموں سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ اور حرام کاموں سے اجتناب کے لیے ضروری ہے کہ رائج الوقت نظام' حرام کو قانونی جواز کا درجہ نہ دے۔ اگر حرام کام کو قانونا جواز کا درجہ ہو گا تو پھر اس سے بچنے کی راہیں مسدود ہو جائیں گی۔

آج کے معاشرے میں برائیاں قانون کے زور سے قائم ہیں۔ اس لیے ان سے بچنا اور اپنی عبادت کو ضائع ہونے سے بچانا بڑا مشکل ہو گیا ہے۔ ان مشکلات میں جو لوگ حرام سے بچیں' ان کے لیے اجر بھی زیادہ ہے۔

O

حضرت ابو رافعؓ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھ کر قبیلہ بنی عبدالاشہل کی طرف تشریف لے جایا کرتے تھے۔ وہاں ارشادات فرماتے اور مغرب کی نماز میں پھر واپس تشریف لے آتے تھے۔

حضرت ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز کے لیے بڑی تیزی سے واپس تشریف لے جا رہے تھے (میں بھی ساتھ تھا)۔ ہمارا گزر بقیع کے مقام پر ہوا، تو آپؐ فرمانے لگے: "اف تجھ پر، اف تجھ پر، اف تجھ پر"۔ میں نے یہ کلمات سنے تو یہ مجھ پر بہت بھاری گزرے۔ میں ڈر گیا۔ میں سمجھا کہ آپؐ مجھے "اف" فرما رہے ہیں۔ میں پیچھے رک گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں پیچھے رک گیا ہوں، تو آپؐ نے فرمایا: پیچھے کیوں رک گئے ہو؟ چلے آؤ! میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا کوئی واقعہ پیش آگیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپؐ نے مجھ پر تین دفعہ "اف" کیا۔

آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے تو فلاں آدمی پر "اف" کیا ہے جسے میں نے ایک قوم کے علاقے میں وصولی کے لیے عامل بنا کر بھیجا تھا، تو اس نے اس میں خیانت کی اور ایک چادر اپنے پاس رکھ لی۔ اب وہ چادر اس پر آگ بنا کر پہنا دی گئی ہے (النسائی)۔

حکومتی عہدے اور ذمہ داریاں بڑی نازک ہوتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں بھی کچھ ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض عاملوں سے سرکاری مال میں کسی قدر خیانت ہوگئی۔ کسی نے کوئی چادر چوری کر لی اور کسی نے ہدیے اور تحفے وصول کر لیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے واقعات پر سخت تنبیہہ فرمائی اور اچھی طرح خبردار کیا۔

مذکورہ واقعہ خیانت کی ہولناکی کو اس طرح واضح کرتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپؐ تیزی سے جا رہے ہیں، اور آپؐ کے اضطراب اور بے قراری کا یہ عالم ہے کہ مجرم کو تین مرتبہ مخاطب کرتے ہوئے اس پر اظہار افسوس کر رہے ہیں۔ آپؐ کے سامنے جہنم کا منظر ہے۔ آپؐ دیکھ رہے ہیں کہ خائن کو آگ کی قمیص پہنا دی گئی ہے۔ آپؐ کے اس انداز سے ساتھ چلنے والے حضرت ابورافعؓ گھبرا کر کے رک جاتے ہیں۔ تب نبیؐ متوجہ ہو کر سبب پوچھتے ہیں۔ وہ اپنی پریشانی کا اظہار فرماتے ہیں، تو نبیؐ اس کے جواب میں وضاحت فرماتے ہیں کہ یہ "اف" آپ پر نہیں بلکہ دوسرے شخص پر ہے جس نے سرکاری مال سے ایک چادر چوری کی ہے، اور وہ اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔ نبیؐ کی تنبیہات اور ڈراوے غلط روی سے روکتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کا دور امانت و دیانت کے باب میں بے نظیر اور بے مثال دور تھا۔ بعد کے ادوار میں بھی مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو پیش نظر رکھا تو خیانت کا قلع قمع ہوا۔

بیت المال میں خیانت کتنا بڑا ظلم ہے لیکن ہمارے آج کے معاشروں میں اسے بہت ہلکا سمجھ لیا گیا ہے۔ سرکاری خزانوں میں خیانت کو خیانت ہی نہیں سمجھا جاتا۔ لوگ بھول گئے ہیں کہ وہ اس طرح کس آخری انجام کی طرف جا رہے ہیں۔

○

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف لائے تو ہم نے آپؐ کے لیے بکری کا دودھ دوہا، اپنے گھر کے اس کنویں سے آپؐ کو پانی پلایا، پھر آپؐ کی خدمت میں

پیش کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کے بائیں جانب' حضرت عمرؓ سامنے' اور ایک دیہاتی دائیں جانب تھا۔ آپؐ نے اس مشروب سے پی لیا تو حضرت عمرؓ نے (بائیں طرف بیٹھے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کو دینے کی طرف بطور خاص متوجہ کرنے کی خاطر) عرض کیا: یارسولؐ اللہ! یہ ابوبکرؓ ہیں۔ نبیؐ نے حضرت عمرؓ کی بات پر توجہ نہ دی اور بچا ہوا مشروب دیہاتی کو دے دیا اور فرمایا: دائیں جانب والوں کو دیا کرو! دائیں جانب والوں کو دیا کرو! دائیں جانب والوں کو دیا کرو۔

حضرت انسؓ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد تین مرتبہ بیان فرماتے تھے: پس یہ سنت ہے' پس یہ سنت ہے' پس یہ سنت ہے (بخاری' مسلم)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہذیب و معاشرت کے بہترین اصول دیے اور اصولوں کی حکمرانی قائم فرمائی۔ اصولوں کو شخصیات پر فوقیت دی' شخصیات کی خاطر اصولوں کو نظرانداز نہیں کیا۔ پہلے معاشروں کی طرح آج بھی بڑوں کے لیے ایک قانون ہے' تو چھوٹوں کے لیے دوسرا۔ بلکہ بڑوں کی بڑائی بذات خود قانون ہے۔ آج بڑے بڑے مہذب ملکوں کے دستور میں صدر' وزیراعظم کو ملک کے دوسرے باشندوں پر امتیازی حقوق حاصل ہیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے کوئی امتیاز نہیں رکھا' اپنے آپؐ کو قصاص کے لیے پیش کیا۔

مذکورہ حدیث یہ اصول پیش کرتی ہے کہ کھانا یا مشروب بیک وقت سب کو نہ پیش کیا جا سکتا ہو' تو پھر دائیں والوں کو دوسروں پر فوقیت دی جائے۔ یہ نہ دیکھا جائے کہ جس کی شخصیت اونچی ہے' اس کو دیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو دودھ کا پیالہ پیش کیا اور حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ کے توجہ دلانے کے باوجود نہ دیا کہ اصول کا یہ تقاضا تھا۔

○

حضرت ابورافعؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام دے کر بھیجا۔ میں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو میرے دل میں اسلام گھر کر گیا۔ تب میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں قریش کی طرف واپس نہیں جانا چاہتا۔ آپؐ نے فرمایا: میں عہد شکنی نہیں کرتا اور قاصدوں کو نہیں روکتا۔ اس لیے اب واپس چلے جاؤ۔ وہاں جانے کے بعد اگر تمھارے دل میں وہ ارادہ رہے جو اس وقت ہے' تو پھر واپس آجانا (مسند احمد)۔

سفیروں اور قاصدوں کے امان اور حفاظت کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس اور تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن مختلف قومیں اور اشخاص اس اصول کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کرنے کے باوجود اس وقت پامال کر دیتی ہیں جب اس سے ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تقدس کو جس طرح قائم کیا' اس کا اندازہ مذکورہ واقعہ سے ہو جاتا ہے۔

عیدِ آزاداں

محمد اکرم رانجھا○

امت مسلمہ کے ملی تہوار دو ہی ہیں: عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو امہ کو اس کا نام "مسلم" بھی حضرت ابراہیمؑ نے عطا فرمایا اور انھیں عید قربان کا تہوار بھی دیا' جو امت مسلمہ کے خمیر میں رچ بس گیا اور اس کی تاریخ کا ایک حصہ بن گیا۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ہے ابتدا ہے اسماعیلؑ

لیکن جہاں تک عیدالفطر کا تعلق ہے وہ مسلمانوں کا حقیقی اور واحد تہوار ہے جو ان کے تہذیب و کلچر کا ایک حصہ ہی نہیں' بلکہ ان کے نظام تعلیم و تربیت کا ایک جزو بھی ہے۔

دراصل عیدالفطر جشن نزول قرآن ہے۔ یہ ماہ صیام کے آخری عشرے کا ایک حسین اختتام ہے۔ اس میں امت مسلمہ کے لیے غور و فکر کے کئی حسین زاویے ہیں اور کئی حسین یادیں اس سے وابستہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا سب سے پیارا صفاتی نام الرحمٰن ہے' جس نے قرآن سکھایا اور ماہ صیام کا تحفہ امت مسلمہ کو عطا فرمایا۔ ماہ صیام کا تعارف یوں کروا دیا: وہ مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ اس کی ہزار مہینوں سے بڑھ کر خیر و برکت والی رات کو (۲۱ رمضان المبارک بروز سوموار ۱۰ اگست ۶۱۰ء بوقت صبح کاذب بمقام غار حرا نزد مکہ مکرمہ) وہ عظیم الشان واقعہ ظہور پذیر ہوا جس نے انسانیت کو دَورِ ظلمت سے نکال کر عہدِ نور (age of light) میں لاکھڑا کیا۔ پہلی وحی پانچ آیات پر مشتمل ہے جس کا بنیادی نکتہ پڑھنا لکھنا (خواندگی) ہے۔ یہ اسلام کا منشور ہے کہ آیندہ عہد میں لکھنے پڑھنے کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگی اور قرآن ہی آیندہ ادوار کا امام ہوگا۔ قرآن کے لغوی معنی بار بار پڑھی جانے والی کتاب کے ہیں۔ اس خیال کی تائید حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ قول کرتا ہے کہ بے شک مکہ مسلمانوں کی تلواروں نے فتح کیا لیکن یثرب (مدینہ طیبہ) کو تو قرآن نے فتح کیا ہے۔ قرآن نے صرف مدینہ کو ہی فتح نہیں کیا بلکہ جغرافیہ کی ہیئت کو تبدیل کر کے

○ ایڈووکیٹ' ہائی کورٹ' لاہور

رکھ دیا۔ آیندہ آنے والے ادوار میں تاتاری قرآن سے مفتوح ہوئے۔ ہند کی گھٹاٹوپ اندھیری رات میں قرآن چاند کی طرح چمکا۔

فکری طور پر ابتدائی وحی کی پانچ آیات نے مسلمانوں کو مستقبل کا رہبرو رہنما بنا دیا۔ اصل میں جدید ٹکنالوجی اور جدید سائنس نے بھی قلم اور دوات سے جنم لیا ہے اور قلم دوات کو بطور ہتھیار اور بطور قوت اسلام ہی نے پیش کیا ہے۔ ۱۱۰۰ء میں انگلستان' فرانس' اٹلی' جاپان' جرمنی اور امریکہ ابھی تک پتھر کے عہد میں رہ رہے تھے۔ انھوں نے مسلم ہسپانیہ کی تعلیم گاہوں سے جدید علوم سیکھے۔

عیدالفطر درحقیقت مسلمانوں کے لیے قرآن کے ذریعے زمانے کا امام بننے کا جشن بھی ہے۔ امت مسلمہ عیدالفطر' ماہ صیام اور قرآن کے ذریعے تربیت یافتہ انسانوں کا وہ گروہ بن گئی جس کے سامنے قیصروکسریٰ کے تاج فضاؤں میں اچھل گئے اور ان کے تخت قعرِذلت و گمنامی میں جاگرے اور امت مسلمہ اپنی ہزار کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود صدیوں تک پوری دنیا کی سپرپاور بنی رہی۔

عیدالفطر اس چیز کا جشن بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماہ صیام کے ذریعے امت کے نوافل کو فرائض کا اجر دیا اور دن کے روزے اور راتوں کے قیام کے بدلے میں اس کے تمام گناہوں کو بخش دیا۔ اسے پہلے عشرے میں رحمت سے نوازا' دوسرے عشرے میں بخشش سے سرفراز کیا' اور تیسرے اور فیصلہ کن عشرے میں اس کی گردنوں کو جہنم سے آزاد فرمایا۔ اس سلسلے میں آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کی تلاش اور مساجد میں اعتکاف کے عمل نے بنیادی کردار ادا کیا۔

قرآن' ماہ صیام اور عیدالفطر کے تہوار نے مل کر امت مسلمہ کو وہ مقام بلند عطا کیا کہ وہ دنیا بھر میں منتخب اور معزز ہو گئے اور زمانہ آپ سے آپ ان کے قدموں میں آگرا۔ انھوں نے مشرق بعید سے لے کر اقصاے مغرب تک صدیوں حکومت کی اور جب ایسا عہد وقتی طور پر آگیا کہ وہ اپنے اعمال بد کی وجہ سے اس مقام بلند سے گر گئے تو بھی قرآن' ماہ صیام' اور عیدالفطر کے تسلسل نے ان کے تنزل کو مستقل نہ بننے دیا۔ ہندستان میں دوصد سالہ غلامی کا دور بیت گیا اور ۱۹۴۷ء میں برعظیم کے مسلمان "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" کہہ کر پھر سوے منزل جادہ پیما ہو گئے۔ سرخ پردے کے پیچھے مسلسل ۷۰ سال امت مسلمہ کے ساتھ کیا نہیں ہوا' لیکن دنیا نے دیکھا کہ روس کی گرفت سے آزاد ریاستوں کی مساجد نمازیوں سے بھر گئیں اور بالشویک طاقتوں کی طویل برین واشنگ کا نتیجہ صفر رہا۔

پہلی عیدالفطر (۲ ہجری) کی مسرت اس طرح کئی گنا زیادہ کیف آور تھی کہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری کو یوم شوکت اسلام منایا گیا۔ امیہ بن خلف جیسے جابر سردار کی رسی حضرت بلالؓ جیسے غلام کے ہاتھ میں تھی' اور دنیا کے ظالم' فاسق اور فاجر امرا کی پھولی ہوئی لاشوں کو گھسیٹ کر اندھے کنوئیں میں ڈال دیا گیا اور اسلامی قوتوں کے قدم قیصروکسریٰ کے عشرت کدوں کو پامال کرنے کی راہ پر چل نکلے۔

۸ ہجری کی عیدالفطر میں یہ خوشی بھی شامل ہو گئی کہ پورا جزیرہ نماے عرب قصوئی اونٹنی کے سوار کے

سامنے سرنگوں ہو گیا:

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا
اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا

۹۲ ہجری کی عیدالفطر میں یہ خوشی شامل ہو گئی کہ سندھ باب السلام بن گیا اور نوعمر محمد بن قاسم ثقفی کی تلوار نے ظلمت کدہ ہند کے دروازے پر دستک دے کر، فتح سومنات کی بنیاد رکھ دی۔ ہند کے ظلمت کدوں میں امت کے لیے ہزار سالہ تخت بچھا دیا گیا۔ ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں کے گھنیا گٹھ جوڑ کے باوجود مسلمانوں کو بحیرۂ عرب میں نہ دھکیلا جا سکا اور ۲۷ رمضان المبارک بمطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو نئی اسلامی ایٹمی ریاست معرض وجود میں آ گئی:

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

اس اسلامی ریاست کا وجود اس امر کا غماز ہے کہ غزوۂ ہند کے لیے میدان سج گیا ہے اور ناجی امت کے ناجی افراد گروہ در گروہ اس میں شرکت کے لیے دور و نزدیک سے چل چل کر آتے رہیں گے اور سوے جنت روانہ ہوتے رہیں گے۔

قرآن کا بابرکت وجود، ماہ صیام کے پرانوار شب و روز، اور عیدالفطر کی پُرنور گھڑیاں امت کے لیے باعث خیروبرکت رہی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی، ان شاء اللہ!

اس کی بڑی مثال یہ ہے کہ ۱۹۶۷ میں عرب ممالک اسرائیل سے بری طرح پٹے۔ قبلہ اول بھی چھن گیا اور مصر و شام بھی اپنے علاقے گنوا بیٹھے لیکن جلد ہی دنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ہزیمت خوردہ مصری افواج اکتوبر ۱۹۷۳ (رمضان المبارک) میں نہر سویز عبور کر کے اسرائیلی فوج پر ٹوٹ پڑتی ہیں اور صحراے سینا میں اسے دور تک دھکیل لے جاتی ہیں۔ اسرائیل کو ادھر شام کے ہاتھوں گولان کی پہاڑیوں پر شدید زک اٹھانی پڑتی ہے۔ غرض یہ کہ قرآن، ماہ صیام، اور عیدالفطر کا بابرکت مثلث مسلمانوں کے دینی و دنیوی عروج کا ضامن ہے اور ان کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے امت پر رحمت و کرم کے وہ مینہ برسائے ہیں جس کی مثال نہیں ملتی اور جود و کرم کی یہ بارشیں امت کے لیے اس وقت تک مقدر ہو چکی ہیں جب تک یہ مثلث (ماہ صیام، قرآن اور عیدالفطر) اس صفحۂ ہستی پر موجود ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو ہاتف غیبی صبح و شام مخاطب کیے رہتا ہے:

تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اور اسے یاد کراتا رہتا ہے کہ:

عید آزاداں شکوہ ملک و دیں

اس دنیا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ
نہایت اہم، نہایت قیمتی ہے
کیوں کہ
اس کے ذریعے
آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی کا
ہمیشہ ہمیشہ کا آرام---یا
ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب
حصے میں آتا ہے

دنیا تمھارے لیے پیدا کی گئی ہے
تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو

دنیا میں رہو، اسے برتو، استعمال کرو
مگر--- طالب دنیا نہ ہو!
طالب آخرت ہو!!

(خیر خواہ)

زندگی کی ترجیحات

قرآنی اور نبویؐ دعاؤں کے آئینے میں

پروفیسر خورشید احمد

دعا ایمان کی علامت، عبادت کا مغز، روح کی غذا، مومن کی پہچان اور اس کا شعار ہے، اور کارزار حیات میں یہی اس کا سب سے اہم اور موثر ہتھیار ہے۔ نیز دعا ہی وہ سب سے نمایاں مظہر ہے جو مومن اور کافر کو ایک دوسرے سے ممتاز اور ممیز کرتا ہے۔

اسلام اور کفر، ربانیت اور دنیا پرستی، اللہ کی بندگی اور نفس کی چاکری--- انسانی تاریخ کے دو تہذیبی دھارے ہیں۔ فرد ہو یا مجمع، گروہ ہو یا قوم، گھریلو زندگی ہو یا تہذیب و تمدن کی ریل پیل--- یہی دو نظریے ہیں جو انسانی زندگی میں کار فرما نظر آتے ہیں۔ کفر اور جاہلیت نام ہے خدا سے بے نیاز ہو کر محض دنیا اور دنیوی زندگی کو اصل اور منتہائے حیات ماننے اور انسان کے خود کفیل (self-sufficient) ہونے کی بنیاد پر انفرادی اور اجتماعی زندگی کی نقشہ بندی کرنے کا، جب کہ کافرانہ نظام کا عنوان اور شکل کچھ بھی ہو، اور اس کا تعلق ماضی کے کسی دور کی جاہلیت سے ہو، یا اس نے دور جدید کی جاہلیت کا کوئی نیا روپ اور نیا تشخص اختیار کر لیا ہو---- کفر کی اصل حقیقت بس یہی رہی ہے کہ زندگی محض پیدائش اور موت کے درمیان کی کائنات سے عبارت ہے، نتیجتاً:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے

اس کے برعکس اسلام اور ربانیت کی راہ بالکل جدا ہے۔ اس کی بنیاد زمان و مکاں سے ماورا خالق کائنات کی ہستی پر ایمان ہے، اور اس کا مقصود رب کی بندگی اور اس کے ذریعے خدا کی بنائی ہوئی اس کائنات میں، اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق، ان مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد ہے جس کے لیے اس نے کائنات اور انسان کی تخلیق کی ہے۔ گویا مومن کا معاملہ یہ ہے کہ:

جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لیے

اور یہی وجہ ہے کہ:

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

مومن کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اپنی پوری زندگی اعلیٰ مقاصد کی خدمت میں گزارتا ہے (اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ بے شک میری نماز اور میرے تمام مراسم عبودیت' میرا جینا اور میرا مرنا' سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ الانعام ۶:۱۶۲)۔ اس کے لیے پوری زندگی ایک امتحان اور آزمائش ہے (لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ط تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمھاری آزمائش کرے۔ الانعام ۶:۱۶۵)۔ اور دنیا کی زندگی میں وہ حیات طیبہ اور آخرت میں حقیقی کامیابی اور جنت کا طالب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار انعامات اپنے بندوں پر کیے ہیں ان میں کائنات کی بہترین بنیادوں پر تخلیق (الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝ جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا' جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔ الاعلیٰ ۸۷:۲-۳)' اور پھر خود انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کرنا ہے (لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ التین ۹۵:۴)۔ پھر خود اللہ نے مٹی کے بنے ہوئے اس بشر کو ہر طرح سے مکمل کیا' اس میں اپنی روح پھونکی' اور فرشتوں کو اس کے آگے سجدہ ریز کیا (فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ ص ۳۸: ۷۲)' اور فرشتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "پھر جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ" (ص ۳۸: ۷۲)۔ گویا عالم بالا ہی میں اس کے سینے میں ربانیت کے اعتراف کی مہر لگا دی (وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى ج شَهِدْنَا ج۔ اور انھیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا "کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں"؟ انھوں نے کہا "ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں' ہم اس پر گواہی دیتے ہیں"۔ الاعراف ۷: ۱۷۲)۔ پھر بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ بنی اسرائیل ۱۷:۷۰)۔ یوں اس نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا' اور اشیا کے علم سے نوازا (اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط البقرہ ۲:۳۰' وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ البقرہ ۲: ۳۱)۔ پھر اسے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا' اور وہ علم دیا جسے وہ جانتا نہ تھا (الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ العلق ۹۶:۴-۵)۔ سب سے بڑھ کر اسے اپنے انبیا کے ذریعے ہدایت سے نوازا (فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ البقرہ ۲: ۳۸)۔ اور اس ہدایت کی تکمیل اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کر دی۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (الفتح ۴۸:۲۸) وہ اللہ ہی ہے جس

نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کردے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے..... مزید فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (المائدہ ۵:۳) آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

ان ساری نعمتوں میں ایک منفرد نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خود اس سے مخاطب ہونے، اس سے مانگنے، اور اس سے مغفرت اور استقامت طلب کرنے کا طریقہ بھی سکھایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر ان کی بشری لغزش کے بعد سب سے پہلی عنایت یہ فرمائی کہ انھیں مغفرت اور دعا کے الفاظ اور سلیقہ سکھایا (فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ اس وقت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی، جس کو اس کے رب نے قبول کر لیا، کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ البقرہ ۲: ۳۷)۔ قرآن و سنت میں جہاں زندگی کے تمام معاملات کے بارے میں ہدایت ہے وہیں اس اہم ترین عمل --- دعا --- کے ہر پہلو کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔ اور بلاشبہ دعا کے بے شمار پہلوؤں--- یعنی اس کے مقصد اور فلسفہ سے لے کر آداب، کیفیات اور اوقات تک--- پر اہل علم نے تفصیل سے گفتگو کی ہے اور شاید ہی کسی گوشے کو اوجھل رہنے دیا ہو۔ ہم ان اہل علم و نظر سے استفادہ کرتے ہوئے اس وقت دعا کے ایک ایسے پہلو پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس کی طرف اگر شعوری توجہ نہ ہو تو کثرت شوق یا بشری غفلت کی وجہ سے بہت سے اہل ایمان بھی صرف نظر کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

دعا بندے اور اس کے رب کے درمیان پائے جانے والے رشتے کی بہترین ترجمان ہے۔ اس میں بندے اور رب کے درمیان مناجات اور راز و نیاز کی کیفیت دیکھی جا سکتی ہے اور جہاں یہ بندے کی قوت کا سرچشمہ اور آفات سماوی و ارضی کے مقابلے کے لیے اس کا سہارا ہے، وہیں اگر قرآن و سنت میں تعلیم کردہ دعاؤں پر ایک خاص پہلو سے غور کیا جائے تو دعاؤں کے اس مرقع میں اسلام کے تصور حیات اور اس نظام زندگی کے فریم ورک میں انسان کے لیے ترجیحات، مطلوبہ سیرت کے خدوخال، اور سعی و عمل کے اہداف کی ایک ایسی جامع اور حسین تصویر سامنے آتی ہے کہ انسان کا دل بے اختیار گواہی دیتا ہے کہ یہ بھی ہدایت ربانی کا ایک معجزہ ہے۔

دعا کا محرک بندے کا یہ احساس اور یقین ہے کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ اس کا ایک خالق، آقا، اور رب ہے جس سے جڑ کر ہی وہ اپنا صحیح مقام حاصل کر سکتا ہے۔ یہ رب سے تعلق ہی ہے جو زندگی کو معنی سے معمور اور مقصد سے سرشار کرتا ہے ورنہ انسان ایک کٹی ہوئی پتنگ کی مانند ہے جس کا کوئی سہارا نہیں۔ دعا اللہ سے رشتہ استوار کرنے اور ہر لمحے اسے قائم کرنے کی ایک کوشش اور ذریعہ ہے۔ دعا کرنے والا بندہ ہر

وقت اپنے رب کے حضور میں حاضر رہتا ہے اور اس کی توفیق اور استعانت کے سہارے زندگی کے سارے مراحل طے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ سے یہ تعلق محض لفظی یا قانونی تعلق نہیں' یہ گہرا ذاتی ربط و تعلق ہے اور اس کے ذریعے بندہ اپنے معبود سے ایک ایسے رشتے سے جڑ جاتا ہے جو کسی لمحے کمزور نہیں ہو سکتا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں تعلیم فرمائی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دعاؤں سے اپنے رب سے اپنے تعلق کو استوار کیا ہے' وہ دراصل اللہ کے ہر بندے اور بندی کے لیے تزکیہ اور تربیت کا ایک کورس ہیں۔ ان پر تدبر کی نگاہ ڈال کر بندہ ان تمام بنیادوں کو سمجھ سکتا ہے جن پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کو قائم ہونا چاہیے۔ اور انھی میں یہ تعلیم بھی ہے کہ بندے کی آرزوئیں اور خواہشات کیا ہونی چاہییں۔ جن باتوں کا رب سے مانگنے کا ہمیں درس دیا جا رہا ہے وہ دراصل ہماری آرزوؤں' خواہشات اور ترجیحات کی تعلیم و تہذیب ہے۔ یہ ایک مومن کی زندگی کے اہداف اور اس کی ترجیحات ہیں جن کا بیان ان دعاؤں میں ہوا ہے۔ یہ کوئی نظری اور تصوراتی شے نہیں' یہ تو مجموعہ ہیں ایک مسلمان کی تمناؤں اور خواہشات کا---- اور یہ صرف الہامی ہدایت اور تعلیم نبویؐ ہی کا اعجاز ہے کہ وہ صرف قانون' ضابطہ' بیرونی نظام یا عقلی محمولات تک اپنی اصلاح و تعلیم کو محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ انسان کی آرزوؤں اور تمناؤں' اس کے دل کی کیفیات اور نفس کی خواہشات تک کی تہذیب و تزئین بھی کرتا ہے تاکہ بندے کا ارادہ' اپنے رب کے ارادے سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہو جائے۔ اس کے اندر ایک متوازن شخصیت رونما ہو' یک رنگی اور یکسوئی سے اس کی پوری زندگی عبارت ہو اور اس طرح وہ خود اپنی فطرت' اس کائنات اور اپنے رب کی رضا سے ہم آہنگ ہو جائے۔ گویا اس کا نفس' نفس مطمئنہ بن جائے اور وہ اپنے رب کی طرف اس حال میں بڑھے کہ اس کا نیک انجام خود اس کا استقبال کرے---- وہ اپنے رب سے راضی اور اللہ اس سے راضی! (يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○ الفجر ۸۹: ۲۷-۲۹)۔

اقبال نے "لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری" میں "دعا" اور "تمنا" کے اس تعلق کو بڑی خوب صورتی سے ہر مسلمان بچے اور بڑے کے دل و دماغ پر مرتسم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام کا مطلوب اور بندے کی معراج ہی یہ ہے کہ جو چیز مالک کو پسند ہے وہ بندے کی خواہش اور آرزو بن جائے۔ قرآن و سنت میں تعلیم کی گئی دعاؤں کا مقصد بھی یہی ہے کہ صرف ان کو رٹے رٹائے انداز میں زبان سے ادا نہ کر دیا جائے بلکہ ایمان اور احتساب کے ساتھ انھیں رب کے حضور اس طرح پیش کیا جائے کہ یہ قلب و نظر کا مطلوب بن جائیں۔ اقبال نے الہامی بصیرت کے ساتھ اس نکتہ کو پیش کیا ہے ؎

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

دعا کی معراج آرزو کا یہی انقلاب ہے!

قرآن و سنت میں تعلیم شدہ دعاؤں کا نہ یہاں احاطہ مطلوب ہے اور نہ یہ ممکن ہی ہے۔ یہ دعائیں تو نور و عرفان اور رشد و ہدایت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہیں جس سے انسانیت ہمیشہ آب حیات حاصل کرتی رہے گی۔ یہ ایک ایسا منبع ہیں جن سے زندگی کی تہذیب و تزئین کرنے والے چشمے تاقیامت ابلتے رہیں گے۔ یہاں پیش نظر صرف چند دعاؤں پر تدبر کی نگاہ ڈالنا ہے تاکہ غور و فکر کے یہ گوشے خود ہماری رہنمائی کا ذریعہ بنیں اور دوسروں کے لیے بھی ان میں تدبر و تفکر کے کچھ پہلو نمایاں ہوں۔

دعا کا سب سے اہم پہلو رب سے تعلق ہے۔ جتنا یہ تعلق گہرا ہو گا اتنا ہی انسان کے قدم مضبوط ہوں گے۔ اسلامی تصور حیات کا امتیازی پہلو اس حقیقت کو دو اور دو چار کی طرح واضح کر دینا ہے کہ رب، رب ہے اور بندہ، بندہ اور ان کے درمیان رشتہ، رشتہ عبودیت ہے۔ انسان کی معراج بندگی میں ہے، خدائی کی نقالی میں نہیں۔ رب ایک اور صرف ایک ہے جو خالق، مالک، آقا اور قادر مطلق ہے--- باقی سب مخلوق ہے۔ رب کے علاوہ کسی کو خدائی کا کوئی ادنیٰ سا بھی اختیار حاصل نہیں۔ تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں اور باہم مساوی اور برابر--- ایک ہی قانون کے تابع! ایک ہی حاکم کی رعیت! انسان پر سے انسان کی حاکمیت اور خدائی کو ختم کر کے، اور صرف ایک خدا کے سامنے سب کو جواب دہ کر کے اسلام نے انسان کو حقیقی آزادی اور عزت نفس سے روشناس کیا (اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اے رب، ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ الفاتحہ ۱:۴)۔ یہ آیت کریمہ دعا کی اساس اور بنیاد اور بندوں سے بے نیاز اور صرف اللہ کا دامن تھامنے والے انسان کے لیے آزادی اور شرف کا اعلیٰ ترین چارٹر ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار اقبال نے اسی طرح کیا ہے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

صرف اللہ ہی نفع و نقصان پہنچانے پر قادر ہے اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ کوئی انسان، خواہ اس کا کیسا ہی رتبہ ہو، حتیٰ کہ اللہ کے انبیا اور رسول بھی اپنی تمام تر بزرگی اور روشنی کے باوجود، خدائی میں شریک نہیں۔ سب بندے ہیں اور اس پہلو سے برابر--- صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنیاد پر ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہو سکتی ہے، کسی اور بنیاد پر نہیں۔ انسانیت اور شرف کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز انبیا و رسل بھی روشنی کا مینار اس لیے ہیں کہ رب نے انھیں منتخب کیا، اس مقام پر مامور فرمایا، اور اپنی حفاظت میں لے کر ان کو دوسروں کے لیے نمونہ بنایا۔

رب سے تعلق، اس پر اعتماد اور بھروسا، اس سے مناجات اور التجا، اس کے دامن کو تھامنا اور اس

سے مانگنا' تقویٰ کا راستہ ہے۔ ماثور دعاؤں میں سب سے اہم اور نمایاں چیز یہی تعلق باللہ ہے۔ رب کے آگے عاجزی اور درماندگی ہی وہ راستہ ہے جس سے بندہ رب سے قریب ہو تا ہے' روحانی بلندیوں اور رفعتوں کو چھو سکتا ہے' اور رب کے الطاف و اکرام کا مستحق بنتا ہے۔ کسی انسان یا کسی دوسری مخلوق کے آگے جھکنا اور ہاتھ پھیلانا' شرک کی ایک شکل ہے۔ انسان کے لیے جائز صرف اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلانا اور اس سے مدد اور استعانت طلب کرنا ہے۔ اللہ کے وفادار بندوں کا یہی طریقہ اور وطیرہ ہے۔ صبح وشام' اٹھتے بیٹھتے' کام کرتے یا آرام کرتے' نیند یا بیداری' ہر حالت میں وہ صرف اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو بھی مانگتے ہیں--- بڑی سے بڑی چیز سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی چیز تک--- وہ صرف اپنے رب ہی سے مانگتے ہیں اور ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس طرح دعا دراصل وہ طرز زندگی ہے جس میں بندہ ہر دم اپنے مالک سے جڑا رہتا ہے جس طرح اللہ ہر لمحے انسان کے ساتھ ہے (وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ الحدید ۵۷:۴)' اسی طرح دعا اور ذکر کے ذریعے بندہ بھی شعوری طور پر مسلسل رب کی معیت میں رہتا ہے اور پھر وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کا ذکر اس حدیث قدسی میں ہے:

وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً (بخاری و مسلم) اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں' اور اگر وہ مجھے کسی مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں' وہ اگر میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں' اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف کئی ہاتھ بڑھتا ہوں' اور اگر وہ میرے پاس پیدل چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر جاتا ہوں۔

زندگی کی جو ترجیحات ماثور دعاؤں سے سامنے آتی ہیں ان میں سب سے اولیں ترجیح رب کی یاد' اس کی قربت' اس کے آگے گڑگڑانا' اس کی عظمت و قدرت کا اعتراف' اپنے عجز و انکسار کا اظہار' اور اس سے اور صرف اس سے امید لگانا اور مدد حاصل کرنا ہے۔ اس کا ایک منطقی تقاضا دنیا طلبی کی جگہ رب کی رضا کی طلب اور دنیا طلبی کے مقابلے میں جنت اور اخروی زندگی کی کامیابی کی تمنا اور خواہش ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جنت کی خواہش یہ بھی رب کی طلب ہی کا ایک پہلو ہے۔ جنت کی یہ طلب اس لیے ہے کہ یہ مالک کی رضا کا ایک مظہر ہے۔ اصل مطلوب تو آقا کی رضا ہے' اس کے دیدار کی تمنا ہے' اس کی خوشنودی کی خواہش ہے۔ جنت اس کی رضا طلب کرنے والوں کا مسکن ہے' اس لیے جنت کی طلب بندے کی آرزو اور کوشش ہے۔ دیکھیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے کس طرح مانگتے ہیں اور ہمیں مانگنے کی

تعلیم دیتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ (بخاری)۔ میرے اللہ! تو تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ جتنا بس میں ہے تجھ سے عہدوپیمان پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں، جو کچھ کیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اپنے اوپر تیری (بے پناہ) نعمتوں کا اعتراف ہے اور ساتھ ہی اپنے گناہوں کا اقرار۔ بس تو مجھے بخش دے--- تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا۔

ہر دعا میں رب سے تعلق کی یہی کیفیت مطلوب و مقصود ہے اور یہی اسلامی سیرت و کردار کا طرہ امتیاز ہے۔ ناکامی ہو یا کامیابی و کامرانی، ہزیمت ہو یا فتح و نصرت--- ہر موقع پر بندے کو رب سے اسی شان عبودیت کے ساتھ مخاطب ہونے کی تعلیم ہے۔ اس کا سب سے مسحور کن نمونہ اگر ایک طرف حضورؐ کی وہ دعا ہے جو طائف کے دل گداز اور ہمت شکن تجربے کے بعد زخمی بدن کے ساتھ آپؐ نے کی تو دوسری طرف یہی کیفیت، سوز اور عبودیت اس دعا میں ہے جو حجۃ الوداع کے موقع پر رسالت کے مشن کی تکمیل کے پر سرور موقع پر بندہ رب کے حضور کرتا ہے۔ طائف کی دعا میں حضورؐ کی کیفیت دیدنی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ رَبِّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِکَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَآ اُبَالِیْ غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَکَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمٰتُ وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مِنْ اَنْ یَّحُلَّ بِیْ غَضَبُکَ اَوْ یَنْزِلَ عَلَیَّ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ، الٰہی، اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کے بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے، اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟ کیا بیگانہ، ترش رو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے۔ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و دین کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری ناراضی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔

زندگی کے سب سے سخت اور جاں گسل لمحات میں مالک سے جو التجا ہے، کامیابی اور رفعت کے اعلیٰ ترین موقع پر بھی وہی انکسار، فروتنی، مناجات اور طلب رحمت ہے۔ عرفات کے میدان میں آخری حج کے

موقع پر ایک لاکھ سے زیادہ جاں نثاروں کے مجمع میں ابلاغ حق کی شہادت کے ساتھ آقا اور مالک سے گریہ و زاری کی کیفیت دیکھیے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلاَمِیْ وَتَریٰ مَکَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلاَنِیَتِیْ لاَ یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْئٌ مِنْ اَمْرِیْ اَنَا الْبَآئِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِیْ اَسْئَلُکَ مَسْئَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ وَاَبْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَآءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ دُعَآءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُہٗ وَذَلَّ لَکَ جِسْمُہٗ وَرَغِمَ لَکَ اَنْفُہٗ اَللّٰھُمَّ لاَ تَجْعَلْنِیْ بِدُعَآئِکَ شَقِیًّا وَکُنْ لِیْ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ یَاخَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَاخَیْرَ الْمُعْطِیْنَ اے اللہ! تو میری بات کو سن رہا ہے، اور تو میرا مقام اور حالت دیکھ رہا ہے اور میرے چھپے اور کھلے سب کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی چیز چھپی نہیں۔ میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ کا طلب گار ہوں، ڈرنے والا ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں، اعتراف کرتا ہوں، میں تجھ سے مانگتا ہوں، جیسے بے کس مانگتا ہے اور میں تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہ گار اور ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے اور میں تجھ کو پکارتا ہوں جیسے خوف زدہ، آفت رسیدہ پکارتا ہے، ایسے شخص کی پکار جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہے اور جس کے آنسو تیرے سامنے بہہ رہے ہیں، جس کا تن بدن تیرے آگے بچھا ہوا ہے اور جو اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہے، اے اللہ! تو ایسا نہ کر کہ تجھ سے مانگوں اور پھر بھی محروم رہوں، تو میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا بن جا، اے جن سے مانگا جاتا ہے ان میں سب سے بہتر، اے سب دینے والوں سے بہتر۔

اللہ کے مخلص بندوں کی سب سے عزیز طلب اور آرزو، رب سے یہی تعلق ہے۔ ان کے شب و روز کا محبوب مشغلہ اپنے مالک کی کبریائی کا بیان، اپنی عبدیت کے اقرار کا اعلان اور اس کی محبت اور شفقت کی طلب ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَمَا لِیْ وَاَھْلِیْ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ (ترمذی)، اے اللہ! میں تیری محبت مانگتا ہوں اور تیرے چاہنے والوں کی محبت کا طالب ہوں اور اس عمل کا طالب ہوں جو تیری محبت تک مجھے لے جائے۔ الٰہی! تو اپنی محبت، جان و مال اور اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ مجھے عطا فرما۔

رب سے قرب اور اس کی خوشنودی کی طلب ہی کا ایک پہلو جس طرح جنت کی آرزو اور جہنم کا خوف ہے اسی طرح اس کا ایک دوسرا پہلو ہدایت کی طلب، انبیا، صدیقین اور شہدا کی معیت کی خواہش، شیطان کے وساوس سے پناہ اور نفس کی آفات سے نفرت ہے۔ دنیا میں انسان کی سب سے بڑی ضرورت

ہدایت اور صراط مستقیم ہے۔ بلاشبہ زندگی' توانائی' صحت' رزق سب مطلوب ہیں لیکن ہدایت اور صراط مستقیم ان سب سے زیادہ ضروری اور ہر دوسری ضرورت پر حاوی ہے۔ جسم و جاں کے رشتے کو باقی رکھنے کے لیے جو کچھ درکار ہے وہ بطور ذریعہ مطلوب ہے تاکہ اصل مقصد یعنی اللہ کی عبادت ممکن ہو سکے۔ بندگی کے راستے کی تفصیلات جاننے کا ذریعہ یہی ہدایت اور صراط مستقیم ہے۔ اس لیے ہدایت اور رہنمائی کی طلب' دعا کا ایک مرکزی موضوع ہے جس کا مختصر مگر جامع ترین اظہار خود سورۃ الفاتحہ میں ہے جس کی تلاوت نماز کی ہر رکعت میں ضروری ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ ○ (الفاتحہ ۱: ۵-۷) اے رب! ہمیں سیدھا راستہ دکھا' ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا' جو معتوب نہیں جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

اس ہدایت کی طلب اور اس پر استقامت کا درس یوں دیا گیا:

رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ (اٰل عمرٰن ۳:۸) اے پروردگار' ہمارے دلوں کو ہدایت بخشنے کے بعد کج نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت بخش' تو نہایت بخشنے والا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الثُّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةِ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ (ترمذی' احمد' نسائی) اے اللہ' میں تجھ سے امر حق پر جمنے کی توفیق مانگتا ہوں اور میں تجھ سے راست روی میں پختگی کی دعا مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق چاہتا ہوں۔ تیرے حضور بہترین عبادت کی توفیق چاہتا ہوں اور تجھ سے سچ بولنے والی زبان اور پاک و صاف دل کی درخواست کرتا ہوں۔ اور تجھ سے اس بھلائی کی درخواست کرتا ہوں جو تیرے علم میں ہو اور اس برائی سے بچنے کے لیے تیری پناہ چاہتا ہوں جسے تو جانتا ہے۔ اور اس گناہ سے عفوودرگزر کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں جو تیرے علم میں ہو۔

اس ہدایت کا شوق قرآن کو حرز جان بنانے کا داعیہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَائُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ سْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجِلاَءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ (طبرانی' عن ابن مسعود)' اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں' ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں۔ نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم اور عین

عدل ہے میرے باب میں تیرا فیصلہ۔ میں تجھے ہر اسم کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذات کو متصف کیا ہے، یا اس کو اپنی کتاب میں اتارا ہے، یا اسے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا ہے، یا اپنے پاس اسے غیب ہی میں رہنے دیا ہے، درخواست کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، میری آنکھ کا نور، میرے علم کی کشایش اور میری تشویش کا دافع بنا دے۔

رب سے قرب اور محبت، ہدایت کی طلب اور اس پر استقامت، عبادت کی توفیق اور اس کی حفاظت، قرآن سے شغف اور اس کو دل کی بہار اور آنکھوں کا نور بنانے کی خواہش، پاک دل، سچی زبان اور راست روی کی تمنا---- یہ ہے وہ دبستان آرزو جس سے ایک مومن کی زندگی عبارت ہے اور جس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش اس کی متاع زیست ہے۔

ان دعاؤں میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ایک بڑا حسین اور متوازن نمونہ نظر آتا ہے۔ ان میں کلیدی نوعیت کی صفات محمودہ اور صفات مذمومہ کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ ان میں اللہ کے وفادار بندوں اور بندیوں کی سیرت کے سارے نقوش دیکھے جا سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس مسلم معاشرے اور ریاست کی اخلاقی، معاشی، سماجی، سیاسی اور بین الاقوامی پالیسیوں کے خدوخال بھی ان میں موجود ہیں۔ ضرورت صرف ان کے معانی اور مضمرات پر غور کرنے اور خود اپنی زندگیوں میں ان کے پرتو دیکھنے کی سعی و جہد کی ہے۔ دیکھیے کس طرح حسنات دنیا اور حسنات آخرت کو بیک وقت حاصل کرنے اور زندگی کو طیبات سے معمور کرنے، اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے، ظلم اور ناانصافی، غربت و افلاس اور شہوت اور حق تلفی سے بچنے اور ان کے مقابلے میں انصاف، خیرخواہی، ایثار، باہمی تعاون، اشتراک عمل، خیر کی تلقین اور بدی سے ٹکراؤ اور نجات کا راستہ مومن کے لیے پسند کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ دعائیں فرد اور معاشرے کی ترجیحات اور آرزوؤں کی صورت گر ہوں تو دیکھیے کیسے انسان اور کیسا معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ اسلام زندگی کے لیے کیا اور کیسا پروگرام دیتا ہے؟ ان دعاؤں پر بصیرت کی نگاہ ڈالنے سے اور ان میں زندگی کا پورا پروگرام اور انفرادی زندگی اور اجتماعی پالیسی کے سارے خدوخال صاف نظر آ جاتے ہیں۔ یہ ایک آئینہ ہیں جس میں اسلامی زندگی کی پوری تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ ذرا ان دعاؤں پر غور کریں:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (البقرہ ۲:۲۰۱) اے ہمارے رب، عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی اچھائی اور بھلائی اور آخرت میں بھی اچھائی اور بھلائی اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایسی ہی دعا کی تھی:

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ○ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ط (سورۃ الاعراف ۷ : ۱۵۵) اے اللہ، تو ہی ہے ہمارا سرپرست، سو بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔ اور لکھ دے ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی۔ ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔

علم کے لیے جو ہر ترقی کی کنجی ہے یوں دعا کی تعلیم دی:

رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○ (سورہ طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۴) اے میرے رب، زیادہ کر میرا علم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و دنیا کے لیے جامع دعاؤں کی تعلیم فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ آخِرَتِيَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَادِيْ وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ (مسلم، عن ابوہریرہؓ) اے اللہ! میرا دین درست رکھ جو میرے حق میں بچاؤ ہے، اور میری دنیا درست رکھ جس میں میری معاش ہے اور میری آخرت درست رکھ جہاں مجھے لوٹنا ہے، اور زندگی کو میرے حق میں بھلائی و ترقی اور موت کو میرے حق میں ہر برائی سے امن بنا دے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ نَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ وَقُرَّةَ عَيْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ وَاَسْئَلُكَ الرِّضَآءَ بِالْقَضَآءِ وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَآئِكَ (مستدرک، عن عامر بن یاسرؓ) اے اللہ! میں تجھ سے ایسی نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک جو جاتی نہ رہے، اور میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے حکم (تکوینی) پر رضامند رہنا اور موت کے بعد خوش عیشی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیرے دیدار کا شوق۔

دین اور دنیا کا حسین امتزاج، صحت و تندرستی اور ایمان اور حسن اخلاق کی طلب میں دیکھا جا سکتا ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ صِحَّةً فِيْ اِيْمَانٍ وَاِيْمَانًا فِيْ حُسْنِ خُلُقٍ (مستدرک، عن ابی ہریرہؓ) اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تندرستی ایمان کے ساتھ اور ایمان حسن اخلاق کے ساتھ۔

ایک دوسری دعا میں ہے:

وَاَسْئَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا وَقَلْبًا سَلِيْمًا وَّخُلُقًا مُسْتَقِيْمًا (ترمذی) تجھ سے مانگتا ہوں سچی زبان اور قلب سلیم اور اخلاق صحیح۔

ظاہر اور باطن دونوں کی اصلاح کے لیے مومن مضطرب رہتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً (ترمذی، عن عمرؓ) اے میرے اللہ! باطن کو میرے ظاہر سے بہتر کر دے اور میرے ظاہر کو صالح بنا دے۔

اس کی مزید تفصیل اس دعا میں ملاحظہ فرمایئے:

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ (کنز الاعمال) اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک کر دے۔

دین اور دنیا' گھر اور مال میں سلامتی اور عیوب اور نقائص کی پردہ داری کی دعایوں سکھائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ - اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَا لِیْ - اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ- اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنَ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَمِنْ تَحْتِیْ وَاَعُوْذُبِکَ بِعَظْمَتِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ (احمد' ابوداود) اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت و سلامتی کی درخواست کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے معافی کا خواستگار ہوں اور اپنے دین' اپنی دنیا اور اپنے گھر والوں اور اپنے مال کی سلامتی کا طالب ہوں۔ اے اللہ! میرے عیوب اور نقائص کو چھپا اور مجھے اپنے اندیشوں سے مامون و محفوظ کر دے۔ اے اللہ! تو میری حفاظت فرما میرے سامنے سے اور میرے پیچھے سے' میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے' میرے اوپر سے اور میرے نیچے سے' اور میں تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنے نیچے سے ہلاک کیا جاؤں۔

اولاد صالح اور اہل خانہ کے لیے یہ دعائیں سکھائیں:

رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ج اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ○ (اٰل عمرٰن ۳: ۳۸) اے میرے مالک' مجھے عطا کر اپنی قدرت خاص سے پاکیزہ اولاد۔ بے شک تو ہی ہے ہر ایک کی دعا سننے والا۔

رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ○ (الفرقان ۲۵: ۷۴) اے ہمارے رب' عطا فرما تو ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں متقیوں میں سے سب سے آگے۔

رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۰۰) اے میرے رب' عطا فرما تو مجھے (اولاد جو) صالحین میں سے ہو۔

کفر' فقر' عاجزی' سستی' بزدلی' بخل اور ایسے ہی دوسرے برے حالات سے بچنے اور فراخی رزق' قرض سے نجات اور کبرسنی کی مشکلات سے بچنے کی دعائیں سکھائیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَاءِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ' اے اللہ' میں تیری پناہ مانگتا ہوں برے اخلاق' برے اعمال اور بری خواہشات سے۔ اے اللہ' میں تیری پناہ مانگتا ہوں' جھگڑے فساد اور دو رخی اور بد خلقی سے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ' اے اللہ' میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر اور محتاجی سے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْکُفْرِ وَالْفُسُوْقِ وَالشِّقَاقِ وَالسُّمْعَۃِ وَالرِّیَاءِ ' اے اللہ ' میں تیری پناہ مانگتا ہوں عاجزی و درماندگی ' سستی ' بزدلی اور بخل سے ' اور پناہ مانگتا ہوں کفر سے 'گناہ سے ' جھگڑے سے ' شہرت کی خواہش سے اور دکھاوے سے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِزْقًا وَاسِعًا حَلاَلاً طَیِّبًا ' اے اللہ ' میں تجھ سے رزق حلال و طیب اور رزق کی فراخی و وسعت کی دعا مانگتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اَغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ ' اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور مجھے میرے گھر میں وسعت دے اور مجھے میرے رزق میں برکت دے۔

نیز فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِکَ عَلَیَّ عِنْدَ کِبَرِ سِنِّیْ وَانْقِطَاعِ عُمْرِیْ ' اے اللہ ' میری سب سے زیادہ کشادہ روزی میرے بڑھاپے اور میرے خاتمہ کے وقت کر۔

وَاجْعَلْ خَیْرَ عُمْرِیْ آخِرَہٗ وَخَیْرَ عَمَلِیْ خَوَاتِیْمَہٗ وَخَیْرَ اَیَّامِیْ یَوْمَ اَلْقَاکَ فِیْہِ ' میری عمر کا بہترین اس کا آخری حصہ کرنا ' اور میرا بہترین عمل میرا آخر ترین عمل کرنا ' اور میرا بہترین دن وہ کرنا جس دن میں تجھ سے ملوں۔

سفر میں بھی اس کی تمام نزاکتوں کا خیال رکھتے ہوئے یہ دعا تعلیم فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَ الْاَرْضِ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَۃِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْاَھْلِ وَالْمَالِ ' اے اللہ ' ہم تجھ سے اپنے سفر میں نیکی اور تقویٰ اور تیری خوشنودی کے کام چاہتے ہیں۔ اے اللہ ' ہم پر یہ سفر آسان کر دے اور زمین کا فاصلہ طے کر دے۔ اے اللہ ' تو سفر میں رفیق اور گھر والوں میں نائب ہے ' اے اللہ ' سفر کی مشقت ' ناگوار منظر اور مال و اہل میں بری واپسی سے پناہ چاہتا ہوں۔

حد یہ کہ انسان جب کسی نئی بستی میں داخل ہو تو اس کے لیے بھی ایسی دعا سکھائی جو مسلم معاشرے کی معاشی اور تمدنی پالیسی کے ساتھ ساتھ سیاسی حکمت عملی کی بنیاد بھی فراہم کرتی ہے۔

آپ ؐ پہلے تین بار فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْھَا ' اے اللہ ' اس بستی میں ہمارے لیے برکت کا سامان فرما۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاھَا ' اے اللہ ' ہمیں اس کا رزق عطا فرما۔

پھر اس بستی کے لوگوں کے لیے دعا فرماتے:

وَحَبِّبْنَا اِلٰی اَھْلِھَا ' حَبِّبْ صَالِحِی اَھْلِھَا اِلَیْنَا (طبرانی ' عن ابن عمرؓ) اے اللہ ' ہمیں اس کے رہنے والوں کی نگاہ میں محبوب کر دے اور اس کے باشندوں میں سے جو نیک ہوں ان کو ہماری نگاہ

میں محبوب بنا دے۔

شر نفس سے پناہ' دوسروں کو تکلیف دینے سے پناہ اور برے حکمرانوں سے پناہ بھی انھی دعاؤں کی تعلیم ہے۔

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ رَبُّ كُلِّ شَيْئٍ وَالْمَلٰئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ اِنَّكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ فَاِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ اَنْفُسِنَا وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَشِرْكِهٖ وَاَنْ نَقْتَرِفَ سُوْءً اَوْ نَجُرَّهٗ عَلٰى مُسْلِمٍ' اے اللہ' آسمانوں اور زمینوں کے خالق' غیب و شہود کے جاننے والے' تو ہر چیز کا مالک ہے' اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم تجھ سے اپنے نفس کی برائی سے اور شیطان رجیم کے شر اور شرکت سے پناہ چاہتے ہیں' اور اس سے کہ ہم اپنے حق میں کسی شر کا ارتکاب کریں یا کسی مسلمان تک پہنچائیں۔

ایک دوسری دعا کے الفاظ ہیں:

اَللّٰهُمَّ قِنِيْ شَرَّ نَفْسِيْ وَاعْزِلِيْ عَلٰى رُشْدِ اَمْرِيْ' اے اللہ' مجھے میرے نفس کی برائی سے محفوظ رکھ اور مجھے میرے امور کی اصلاح کی ہمت دے۔

ان دعاؤں میں فرد کی سیرت' معاشرے کے آداب' دنیا سے تعلق اور اس کے سنوارنے کے اصول اور نفس کے شر سے بچنے اور آخرت کے لیے دنیا کو زینہ اور وسیلہ بنانے کے اسلوب سکھائے گئے ہیں۔

وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا عَلَيْنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا' اور دنیا کو ہمارا مقصود اعظم نہ بنا' اور نہ ہماری معلومات کی انتہا' اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود۔ اور ہم پر ایسے حاکم مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرتے ہوں۔

دعاؤں کے اس آئینے میں فرد اور معاشرے کی مطلوب کیفیات ہی کا منظر نہیں' ان میں حق و باطل کی کش مکش' انبیاے کرام کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی مجاہدانہ زندگی' ان کی باہمی الفت اور خدا کے باغیوں کے شر اور فساد کا مقابلہ کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دینے کی کیفیات بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ مومن کی زندگی حق و باطل کی کش مکش سے عبارت ہے۔ وہ کفر اور طاغوت کے باب میں غیر جانب دار نہیں رہ سکتا۔ وہ نہ ظلم اور فساد کا ذریعہ بنتا ہے اور نہ ظلم و فساد سے سمجھوتہ کرتا ہے۔ وہ حق کا ساتھ دیتا ہے' انصاف کے لیے جدوجہد کرتا ہے' ظلم کا مقابلہ کرتا ہے اور فتنہ و فساد کا قلع قمع کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ موت کی خواہش تو گناہ ہے لیکن غلبہ حق کی جدوجہد میں شرکت اور شہادت کی آرزو بھی عبادت ہے۔ مومن کی زندگی کے اس پہلو کی بھی پوری عکاسی ان دعاؤں میں ہوتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہیں۔ کیسی محرومی ہے کہ ان دعاؤں کی تلاوت ہوتی ہے' انھیں زبان

سے ادا کیا جاتا ہے' جمعہ کے خطبہ میں ان کی تذکیر ہوتی ہے لیکن جس جہاد زندگانی کی یہ دعوت دیتی ہیں اس کی کوئی خواہش اور تڑپ ہمارے دلوں میں پیدا نہیں ہوتی۔

دیکھیے اس پہلو سے دعائیں ہمیں کس طرز زندگی کی طرف بلا رہی ہیں:

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ ۲: ۲۵۰) اے ہمارے رب' ہم پر صبر کا فیضان کر' ہمارے قدم جما دے اور اس کافر گروہ پر ہمیں فتح نصیب کر۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ج وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (النساء ۴ : ۷۵) اے ہمارے رب' نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے باشندے اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ (الاعراف ۷ : ۸۹) اے ہمارے رب' فیصلہ کر ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان انصاف کے ساتھ اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (یونس ۱۰: ۸۵-۸۶) اے ہمارے رب' نہ بنا تو ہم کو فتنہ ظالم لوگوں کے لیے' اور نجات دلا ہم کو اپنی مہربانی سے کافر لوگوں سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جو "قنوت نازلہ" کے طور پر پڑھی جاتی ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ ۔ اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَآءَ كَ۔ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَاْسَكَ الَّذِىْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ' اے اللہ' تو ہماری اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کی اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی مغفرت فرما' اور ان کے دلوں میں باہمی الفت و محبت پیدا فرما دے اور ان کے باہمی تعلقات درست فرما دے اور اپنے اور ان کے دشمنوں پر فتح عطا فرما۔ اے اللہ' ان کافروں پر جو تیرے راستے (دین) سے لوگوں کو روکتے ہیں اور تیرے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور تیرے دوستوں (مسلمانوں) سے لڑتے ہیں' ان پر تو لعنت بھیج۔ اے اللہ' تو ان کے درمیان پھوٹ ڈال دے اور ان کے قدموں کو ڈگمگا دے اور ان پر تو اپنا وہ عذاب نازل کر جو تو مجرم قوموں سے کبھی رد نہیں کرتا۔

حق و باطل کی کش مکش زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اس کے بارے میں جمعہ کے خطبہ ثانی میں ہر مسجد و محراب سے یہ دعا ہوتی ہے لیکن اس میں مومن کی آرزوؤں اور تمناؤں اور سعی و جہد کے لیے جو پیغام ہے اس سے غفلت ایک سوالیہ نشان ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْإِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلَى الْإِسْلَامِ۔ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ الْإِيْمَانِ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ، اے اللہ، اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرما۔ اے اللہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کریں، تو ان کی مدد فرما، اور ہمیں ان میں سے کر دے۔ اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو رسوا کرتے ہیں، تو ان کو رسوا کر دے، اور ہم کو ان میں سے نہ کرنا۔ اے اللہ، ہم کو حق، حق دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عنایت فرما، اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عنایت فرما۔ ہمیں اسلام پر ثابت قدم رکھ۔ ہمارے قلوب کو نور ایمان سے روشن کر دے۔ اے اللہ بخش دے تمام مومن مردوں اور عورتوں کو، زندہ ہوں یا وہ موت پا چکے ہوں۔

قرآن و سنت کی دعاؤں سے زندگی کا جو تصور اور اس کی ترجیحات اور اہداف کا جو نقشہ ابھرتا ہے، ہم نے اس کے چند نقوش اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارا مقصد تمام موضوعات کا احاطہ کرنا نہیں، اصل مقصد صرف سوچنے کے ایک طریقے کی دعوت اور دعاؤں میں مضمر اس پیغام کی تلاش اور جستجو پیدا کرنا ہے جو اللہ کے سامنے یہ التجائیں کرنے سے دعا کرنے والوں میں فطری طور پر رونما ہونی چاہیے۔ ماثور دعاؤں کا مقصد محض چند الفاظ کو بغیر سمجھے ہوئے بار بار ادا کر لینا نہیں ہو سکتا۔ ان دعاؤں کو ہماری خواہش، آرزو اور تمنا ہی نہیں بلکہ عزم، ارادہ اور جدوجہد کا عنوان ہونا چاہیے۔ دعا جب حقیقی طلب بن جائے تو وہ قبولیت سے ہم کنار ہونے لگتی ہے۔ خواہش ہی نہیں کوشش ہماری ذمہ داری ہے اور تکمیل اور نصرت اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے (السعی منّا والاتمام من اللّٰه تعالٰی)۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ دعا ایمان اور احتساب کے ساتھ کی جائے۔ بندہ، مالک کے آگے مکمل سپردگی کا راستہ اختیار کرے اور اپنی آرزوؤں کو آقا کی مرضی کے ہم رنگ کر لے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو پھر اجابت دعا کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں اور کیفیت یہ ہوتی ہے ؎

مالک تری رضا رہے اور تو ہی تو رہے
باقی نہ میں رہوں، نہ میری آرزو رہے

(کتابچہ دستیاب ہے، منشورات، منصورہ، لاہور)

دعوت، قرآن اور انسانی نفسیات

حافظ محمد سجاد تترالوی ○

(دوسری اور آخری قسط)

۲۔ جذبات

انسان اپنی روز مرہ زندگی میں بعض اوقات مختلف قسم کے تاثرات سے دوچار ہوتا ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً محبت و نفرت، خوف، اطمینان، خوشی و غم، غیرت، حسد اور دوسرے تاثرات کا احساس کرتا ہے۔ علم النفس کے ماہرین نے ان انسانی انفعالات و تاثرات پر تفصیلی بحثیں کی ہیں اور ان تاثرات و جذبات کے اسباب انسان کے طرز زندگی اور اس کی جسمانی و نفسیاتی صحت پر ان کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ قرآن مجید نے بہت سے اہم انسانی تاثرات کو بیان کیا ہے، مثلاً ۱۔ جذبۂ تشکر، ۲۔ جذبۂ محبت، ۳۔ جذبۂ تنافس۔

ماہرین نفسیات کے مطابق ان تاثرات و جذبات سے پیدا ہونے والی کیفیات ہمارے کردار کو مختلف اور مخصوص اطراف کی طرف لے جاتی ہیں۔ ان کے تین پہلو ہیں: ۱۔ اندرونی تبدیلیاں اور کیفیات، ۲۔ ظاہری تبدیلیاں، ۳۔ فرد کی حرکات و سکنات وغیرہ۔ قرآن حکیم ان ہیجانات کے وقوف کو مثبت تربیت سے سنوارتا ہے۔

۱۔ جذبہ تشکر: انسانی نفس کے اندر ایک منعم حقیقی کا شعور سب سے قدیم اور سب سے زیادہ واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ نعمت کا شعور انسان میں منعم کی شکرگزاری کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ یہ جذبہ حیوانات تک میں موجود ہے اور انسان میں جس کو عقل و شعور کی نعمت عظمیٰ ملی ہے، یہی جذبہ بہتر اور ترقی یافتہ صورت میں موجود ہے۔

قرآن نے اپنے دعوتی انداز میں اس فطرتی داعیہ کو بیان کیا ہے کہ وہ ہستی جس نے انسان کو

○ پروفیسر، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

احسن تقویم بنایا' اس کو بہترین قوتوں سے آراستہ کیا' اس کو کھانے پینے' اوڑھنے پہننے' مال و دولت' بیوی بچے' گھربار کی خواہش دی تاکہ ان خواہشوں کی تحریک سے وہ اپنی بقائے ذات اور بقائے نوع کی قابلیتوں کو بروے کار لا سکے' اس کو عقل عنایت فرمائی جو خیر و شر میں امتیاز کرنے والی ہے' دل عنایت کیا جو بلند ارادوں کا مخزن ہے' روح عنایت فرمائی جس میں اپنی طلب و جستجو ودیعت کی اور ان سب پر اسے اختیار بخشا کہ وہ ان سب پر حکومت کرے' بلاشبہ وہ ہستی اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی بندگی کی جائے اور منعم کے احسان کا حق اس کی شکرگزاری کی صورت میں ادا کیا جائے۔

سورہ العدیٰت میں جذبہ تشکر کی مثال دی گئی ہے کہ ایک حیوان اپنے مالک کے احسان کے بدلے میں اپنی جان پر کھیل جاتا ہے اور مشکل حالات میں اس کی مدد کرتا ہے کہ انسان گھوڑے کو کچھ دانہ اور گھاس دیتا ہے۔ اس احسان کے بدلے میں وہ اپنے مالک کے دشمنوں پر اپنی پوری طاقت سے اپنی جان پر کھیل کر چڑھ دوڑتا ہے حالانکہ اس کشت و خون میں اس کا اپنا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ محض گھوڑے کی احسان شناسی اور اپنے محسن کی خدمت اور اطاعت کا جذبہ ہی ہے کہ اسے خاک و خون سے کھیلنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ اب انسان اپنے پر غور کرے۔ اس کا مالک وہ ہے جس نے اسے پیدا کیا جو اس کی زندگی کے بے شمار اسباب فراہم کرتا ہے۔ اس کے احسانات بے حد و حساب ہیں۔ پھر وہ انسان پر احسان کر کے اس سے اپنی کوئی خدمت بھی نہیں لینا چاہتا۔ اس پر بھی اگر انسان اپنے رب کی بندگی پر آمادہ نہیں ہوتا تو کیا وہ ایسا ناشکرا ہو جانا پسند کرتا ہے کہ اس کا درجہ جانوروں سے بھی کم ہو جائے!

قرآن حکیم نے تخلیق کائنات' تخلیق انسان اور دیگر اشیا کی پیدایش واضح انداز میں بیان کر کے انسانی نفس کو اس منعم حقیقی سے روشناس کرایا ہے۔ جب انسان دنیا و اسباب دنیا پر غور کرتا ہے تو وہ اسی ہستی کے وجود کو مانتا ہے جس نے اس کو بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا اور اس کی حیات و بقا کے لیے اسباب پیدا فرمائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ...... فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ○ (الواقعہ ۵۶: ۶۳-۷۰) کبھی تم نے سوچا' یہ بیج جو تم بوتے ہو' ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو ان کھیتیوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر تو الٹی چٹی پڑ گئی' بلکہ ہمارے تو نصیب ہی پھوٹے ہوئے ہیں۔ کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا' یہ پانی جو تم پیتے ہو' اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں' پھر کیوں تم شکرگزار نہیں ہوتے؟

ب- جذبۂ محبت و الفت: تقاضائے فطرت انسانی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے اور اپنے وجود سے محبت رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر حسی اور معنوی لذت سے لطف اندوز ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ نمایاں

ہو' طاقت ور ہو۔ جذبات محبت انسان کے نفس کی گہرائیوں میں موجود ہیں۔ قرآن مجید فطرت کے ان میلانات سے برسرپیکار ہونے کے بجائے' ان کو مہذب اور شائستہ بناتا ہے اور ان کو منظم و منضبط کرتا ہے۔

مثال کے طور پر حب ذات کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو نصیحت کرتا رہے اور اس کی صحیح سمت راہنمائی کرے' ایسی راہنمائی جو اسے دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کی جانب راہنمائی دے۔ چنانچہ قرآن کریم جذبۂ حب کو بروئے کار لانے کے لیے اس ذات باری تعالیٰ کے لیے جذبات محبت بیدار کرتا ہے جو منعم حقیقی ہے اور جس نے انسان کو زندگی عطا کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ج (التغابن ۶۴: ۳) اس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے' اور تمھاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ بنائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت' انسانی محبت کی سب سے بلند قسم ہے' اور اس کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادت اور روحانی لطف حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت ہی مومن کی طرز زندگی کا رخ متعین کرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی محبت کسی انسان پر چھا جاتی ہے تو اس کے تمام اعمال و تصرفات و سکنات طاعت خداوندی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے دعوتی اسلوب میں اس فطرتی جذبے کو بیان کرتے ہوئے محبوب حقیقی کی محبت کو انسانی نفس کے لیے اصل قرار دیا ہے۔

ج۔ جذبہ تنافس : ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے اور بازی لے جانے کی شدید خواہش (جذبۂ تنافس) ان سماجی نفسیاتی محرکات میں سے ہے' جو لوگوں کے درمیان رائج ہیں۔ معاشرے میں پائی جانے والی تہذیب و ثقافت اور پسندیدہ چیزوں کی قدر و قیمت مقابلہ آرائی کی تحدید کرتی ہے۔ سماج ان مرغوب چیزوں میں تنافس کرنے پر بچوں کو آمادہ کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ اللہ سے ڈرنے اور عبادات' نیز اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے تنافس کریں۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ ۝ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ط وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ (المطففین ۸۳: ۲۲-۲۶) بے شک نیک لوگ بڑے مزے میں ہوں گے' اونچی مسندوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے' ان کے چہروں پر تم خوش حالی کی رونق محسوس کرو گے۔ ان کو نفیس ترین سربند شراب پلائی جائے گی جس پر مشک کی مہر لگی ہو گی۔ جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔

قرآن مجید نے اس فطری جذبے کو بیان کرتے ہوئے اس کا رخ حقیقت کی طرف موڑ دیا ہے کہ دنیا

اور اسباب دنیا کے بارے میں مقابلہ آرائی و مسابقت کرنا، شہرت و عزت حاصل کرنے میں تنافس، سماج میں اقتدار و حکومت حاصل کرنے کے لیے دوڑ لگانا، اور دنیاوی زندگی میں مختلف سازوسامان کے حصول میں سبقت کرنا، حقیقی زندگی کے مقاصد میں سے نہیں، اس کے برعکس، اخلاقی اقدار اور اعمال صالحہ میں تنافس و برتری کو پسندیدہ قرار دیا ہے، جو کہ انسانیت کا مقصود و مطلوب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (الحدید ۵۷:۲۱) دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے، جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

سورہ احقاف میں ہے:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ج وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (الاحقاف ۴۶:۱۹) دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کے درجے ان کے اعمال کے لحاظ سے ہیں تاکہ اللہ ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ ان کو دے۔ ان پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا۔

چونکہ درجہ اعمال کے مطابق ملے گا، اس لیے اچھا درجہ حاصل کرنے کے لیے اچھے اعمال میں دوسروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کی ترغیب دی گئی ہے۔

۳۔ توجہ

تفہیم و ابلاغ میں توجہ بہت اہم چیز ہے۔ انسان جس چیز کی طرف توجہ نہ کرے اسے سیکھ نہیں سکتا۔ اگر مدعو، داعی کی دعوت و پیغام کو توجہ سے نہیں سنے گا تو اس کو قبول کرنے پر کیونکر آمادہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ اشد ضروری ہے کہ پہلے مدعو کو اپنی طرف متوجہ کیا جائے اور پھر دعوت دی جائے۔ دور حاضر کے ماہرین نفسیات نے ایسے وسائل کا ذکر کیا ہے جن کی مدد سے ابلاغ میں مدد ملتی ہے، اور تعلیمی نفسیات میں متوجہ کرنے کے لیے بعض متعین وسائل، مثلاً نقشوں، وضاحتی چارٹوں، مثالوں، قصوں اور سمعی و بصری وسائل کو بھی کارآمد خیال کیا جاتا ہے۔ یہ تمام وسائل بات کو سمجھانے میں بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم جو کہ دعوت و ہدایت کی کتاب ہے، اس نے اپنی دعوت کے ابلاغ کے لیے اور انسانوں کو اس ہدایت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسے وسائل سے کام لیا ہے جس سے نفس انسانی متاثر ہوتا ہے اور اس کو پیغام حق سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

قرآن حکیم نے توجہ مبذول کرانے کے کئی ایک طریقے استعمال کیے ہیں۔ ان کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف- اسلوب تخاطب: ا- خطابیہ انداز' ۲- مکالماتی و گفتگو کا انداز' ۳- استفہامیہ و سوالیہ انداز' ۴- چونکا دینے والا انداز۔

ب- التفات : ا- قسمیں' ۲- تمہید باندھ کر متوجہ کرنا' ۳- براہ راست حکم دینے کے بجائے صفات بیان کرنا' ۴- ایک جیسی آیات میں مطلوبہ الفاظ کا بدل دینا (تکرار مضامین کا نفسیاتی پہلو)۔

ج- دل چسپی : توجہ مبذول کرانے میں انسانی جبلتوں اور فطری میلانات کو بیان کیا گیا' ان میں سے درج ذیل اہم ہیں: ا- انسانی جبلتوں سے استفادہ' ۲- انسان کے ذوق جمال سے استفادہ' ۳- منظرکشی' محسوس و مشہود انداز میں بیان' تصاویری نمونے' ۴- تمثیل و امثال' ۵- قصص' تشبیہات و استعارات وغیرہ۔

الف- اسلوب تخاطب : قرآن مجید نے توجہ دلانے کے لیے کئی طریقے استعمال کیے ہیں۔ ان میں خطابیہ انداز عام ہے۔ خطاب میں مناسب اور برمحل الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ قرآن نے جہاں فطری اور بدیہی باتوں کی تعلیم دی ہے' جیسے توحید اور قرابت داروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ تو وہاں اس نے یایھا الناس (اے لوگو) کہہ کر خطاب کیا ہے' یعنی جن باتوں کا لوگوں کو مخاطب بنایا جا رہا ہے وہ مجرد انسان ہونے ہی کی حیثیت سے ان لوگوں پر واجب اور لازم ہیں۔ مگر جب اوامر شریعت اور دین کے فرائض کی تلقین کی جاتی ہے تو یایھا الذین آمنوا (اے ایمان والو) کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس خطاب میں یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ جن باتوں کا ان لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے وہ ان پر اس وجہ سے لازم ہیں کہ انھوں نے اپنے رب سے اطاعت اور فرماں برداری کا معاہدہ کیا ہے۔ کہیں چونکا دینے والے الفاظ اور جملے استعمال کیے گئے ہیں' مثلاً الا' کلا وغیرہ۔ قُلْ اَؤُ نَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ط (اٰل عمرٰن ۳: ۱۵) (کیا میں تمھیں ان سے بہتر چیز سے آگاہ نہ کر دوں)' یا فرمایا: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الصف ۶۱:۱۰) (میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذاب الیم سے بچا دے)---- اس قسم کے جملے اور الفاظ سے سننے والا مکمل طور پر اپنی توجہ کہنے والے کی طرف مرکوز کر لیتا ہے اور اس کے بعد اگر دل نشیں انداز میں بات کی جائے تو بہترین نتائج نکلتے ہیں۔

خطابیہ اور تقریری طریقہ اگر سننے والے کی ذہنی سطح اور موقع محل کے مطابق استعمال کیا جائے تو بہت موثر ہوتا ہے۔ اس میں دلائل کی آمیزش اسے اور بھی سنوار دیتی ہے۔ تمام انبیا کرام نے اپنی دعوت میں اس طریقے سے کام لیا ہے۔ قرآن مجید نے ان میں سے بعض کی تفصیل بیان کی ہے' مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدخانے میں جب دو ساتھیوں کو اپنی طرف تعبیر خواب کے سلسلے میں مائل پایا تو موقع کی موزونیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ پہلے تو ان کو مطمئن کیا کہ وہ ان خوابوں کی تعبیر بتا سکتے ہیں اور وہ بھی ان کے کھانا آنے سے پہلے اور پھر ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ .... اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (یوسف ۱۲: ۳۹-۴۰) اے میرے جیل کے رفیقو، بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے ہیں یا (ایک) خداے یکتا و غالب۔ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

کیونکہ خواب کی تعبیر چاہنے والے نوکر اور غلام تھے اور وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں اس بات کو خوب محسوس کر سکتے تھے کہ ایک آقا کا غلام ہونا بہتر ہے یا بہت سے آقاؤں کا۔ اس طرح ان کے دل و دماغ کو یہ بات زیادہ متوجہ کرنے والی تھی۔

قرآن مجید نے گفتگو کا اسلوب بھی اختیار کیا ہے۔ مکالماتی انداز سامع کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا ہے۔ اس میں اپنائیت کا احساس پایا جاتا ہے۔ سامع جلد بات اخذ کرتا اور اس سے اثر قبول کرتا ہے۔ توجہ و انہماک کے لیے یہ نفسیاتی اصول بہت کارگر ہے۔ قرآن مجید کے دعوتی اسالیب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باہمی گفتگو، بحث و مباحثہ و مکالماتی انداز میں دعوت حق کے کئی نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ قرآن میں ۵۲۷ مقامات پر حوار و محاورہ کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے مثلاً:

۱۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے مابین خلق آدم کے موضوع پر (البقرہ ۲: ۳۰-۳۲)۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اور حضرت ابراہیمؑ کے مابین جب حیات و موت کے بارے میں سوال ہوا (البقرہ ۲: ۲۶۰)۔

۳۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ نے سوال کیا، جب کہ لوگوں نے چاہا کہ وہ ان کو اور ان کی والدہ کو خدا بنالیں، اللہ کے سوا (المائدۃ ۵: ۱۱۶)۔

۴۔ اس طرح انبیا کرامؑ کا اپنی اقوام کو دعوت دیتے ہوئے گفتگو کا انداز۔

التفات

قرآن مجید میں التفات کی اکثر مثالیں ملتی ہیں۔ اس کا یہ فائدہ بہت عام ہے کہ سننے والے کو ہوشیار اور خبردار کر دیا جاتا ہے، کیونکہ انسان اپنی غفلت کی وجہ سے بہت سی چیزوں کو دیکھتا ہے لیکن ان کی جانب متوجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ انھی چیزوں کی جانب متوجہ ہوتا ہے جو اس کے لیے یا تو ناگزیر ہوتی ہیں یا جن سے اس کے اغراض اور فائدے وابستہ ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہ انسان کی مالوف عادت ہے۔ اس لیے التفات کا یہ کثرت استعمال اس جمود و تعطل کو ختم کر کے اس کو فکر و نظر کا عادی بناتا اور سوچنے سمجھنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں التفات کے اہم اسلوب درج ذیل ہیں:

ا۔ "قسم" بلاغت و التفات کا ایک اسلوب ہے۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال بہ کثرت ہوا ہے۔ "قسم" کے اختصار کی وجہ سے مفہوم پوری طرح واضح ہو جاتا ہے اور اس سے کلام کا زور و اثر بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہ اسلوب چونکہ معروف صورت سے بالکل مختلف ہے' اس لیے سامع کو بحث و جدال کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ "قسم" کے اسلوب میں دلیل' دعوے سے پہلے سامنے آتی ہے۔ اس کی وجہ سے دلیل بتدریج مخاطب کو اصل دعوے تک کھینچ کر لاتی ہے۔

بعض اوقات آدمی مخاطب کو مطمئن کرنے کے لیے ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اپنے کسی بیان یا وعدے کو تاکید کے ساتھ پیش کرے' خصوصیت کے ساتھ اہم قومی' اجتماعی معاملات میں ایسا کرنا' بسااوقات ناگزیر ہوتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ' ایک بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ' یا عام افراد آپس میں کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو باہمی اعتماد و اطمینان کے لیے اس طرح کی تاکید و توثیق ضروری سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ چیز موافق کو مخالف اور دوست کو دشمن سے پہچاننے کا معیار قرار پاتی ہے۔ انسان کی اس تمدنی ضرورت نے طرح طرح کے طریقے اور خاص خاص الفاظ پیدا کر دیے جن سے لوگ اس تاکید کا اظہار کرنے لگے۔ یہی "قسم" کی اصل حقیقت ہے۔

قرآن مجید کے دعوتی اسالیب میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ وہ آیتوں کو ہیر پھیر کر بیان کرتا ہے' یعنی ایک ہی بات کو متعدد طریقوں سے مختلف پیرایوں میں ذکر کرتا ہے۔ اس کی عبارت بدلتی رہتی ہے لیکن مقصد و منشا ایک ہی ہوتا ہے۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب' متکلم کی مراد کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہے' کیونکہ ایک ہی چیز جب کسی کے سامنے مختلف پہلوؤں سے آتی ہے تو اس کو اسے سمجھنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی۔ جو گوشہ اور پہلو اول لمحے میں مخفی رہ جاتا ہے وہ دوسری دفعہ واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن نے خود بھی اس کی یہی غرض و غایت بتائی ہے' فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ○ (الانعام ۶: ۶۵) دیکھو' ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں شاید کہ یہ حقیقت کو سمجھ لیں---- اور جو لوگ اس قدر جتن اور اہتمام کے بعد بھی انکار و اعراض کی روش پر قائم رہتے ہیں ان کے متعلق فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ○ (الانعام ۶: ۴۶) دیکھو' کس طرح ہم بار بار اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر یہ کس طرح ان سے نظر چرا جاتے ہیں۔

ایک ہی چیز کا مختلف صورتوں میں ہونا' آدمی کو خصوصیت سے فکر و تدبر پر آمادہ کرتا ہے۔ قرآن میں تصریف آیات کے ضمن میں جو مضامین بار بار دہرائے گئے ہیں' ہر جگہ یہ مستقل اور نئے مضامین معلوم ہوتے ہیں۔

مخالف حق سے ایسے انداز میں مخاطب ہونا یا اس کے سامنے بات ایسے پیرائے میں پیش کرنا کہ کلام کی تلخی اور انداز گفتگو کی درشتی اسے حق کی طرف متوجہ ہونے میں سدراہ نہ ہو۔ اس میں کبھی یہ بھی ہوتا

ہے کہ حق کو صاف لفظوں میں اس کے سامنے نہ لایا جائے کہ وہ انکار پر تل جائے بلکہ ایسی صورت اختیار کی جائے کہ اس کے ضمیر میں تلاش حق کی خلش پیدا ہو اور وہ خود اپنے آزاد ضمیر کے فیصلے سے حقیقت تک پہنچنا چاہے تو پہنچ جائے۔ قرآن مجید میں اس اسلوب کی اکثر آیات موجود ہیں' مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ ...... وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۲: ۱۱۱-۱۱۲) ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو۔ یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ ان سے کہو' اپنی دلیل پیش کرو' اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ (دراصل نہ تمھاری کچھ خصوصیت ہے' نہ کسی اور کی) حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے' اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں۔

اس میں مخالف کی باتوں کا رَدّ ہے مگر اس طرح کہ صریحی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور غلط کو غلط نہیں کہا جاتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخاطب خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ کرے کہ یہ بات غلط ہے۔ پھر اس کے مقابلے میں مثبت پہلو کو کہ "نجات کے مستحق مسلمان ہیں" اسے بھی صاف صاف "مسلمان" کے لقب کے ساتھ نہیں کہا جا رہا بلکہ اوصاف بیان ہوتے ہیں کہ وہ اوصاف جس پر منطبق ہوں وہ نجات کا مستحق ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ لا وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (سبا ۳۴: ۲۴) ان سے پوچھو' "کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے"؟ کہو' "اللہ۔ اب لامحالہ ہم میں اور تم میں سے کوئی ایک ہی ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے"۔

یہ حقیقت حال کے بارے میں شک کا اظہار نہیں بلکہ ایک حکیمانہ انداز ہے مخاطب کے لیے حقیقت پر غور کرنے کی دعوت کا جو اسے ناگوار بھی نہ ہو۔

مولانا مودودیؒ زیر نظر آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اس فقرے میں حکمت تبلیغ کا ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے۔ اوپر کے سوال و جواب کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ جو اللہ ہی کی بندگی و پرستش کرتا ہے وہ ہدایت پر ہو' اور جو اس کے سوا دوسروں کی بندگی بجالاتا ہے وہ گمراہی میں مبتلا ہو۔ اس بنا پر بظاہر تو اس کے بعد کہنا یہ چاہیے تھا کہ ہم ہدایت پر ہیں اور تم گمراہ ہو۔ لیکن اس طرح دو ٹوک بات کہہ دینا حق گوئی کے اعتبار سے خواہ کتنا ہی درست ہوتا حکمت تبلیغ کے لحاظ سے درست نہ ہوتا۔ کیونکہ جب کسی شخص کو مخاطب کر کے آپ صاف صاف گمراہ کہہ دیں اور خود اپنے برسرہدایت ہونے کا دعویٰ کریں تو وہ ضد میں مبتلا ہو جائے گا اور سچائی کے لیے اس کے دل کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اللہ کے رسول چونکہ مجرد حق گوئی کے لیے نہیں بھیجے

جاتے بلکہ ان کے سپرد یہ کام بھی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ حکیمانہ طریقے سے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کریں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اے نبی' اس سوال و جواب کے بعد اب تم ان لوگوں سے صاف کہہ دو کہ تم سب گمراہ ہو اور ہدایت پر صرف ہم ہیں۔ اس کے بجائے تلقین یہ فرمائی گئی کہ انھیں اب یوں سمجھاؤ۔ ان سے کہو ہمارے اور تمھارے درمیان یہ فرق تو کھل گیا کہ ہم اس کو معبود مانتے ہیں جو رزق دینے والا ہے' اور تم ان کو معبود بنا رہے ہو جو رزق دینے والے نہیں ہیں۔ اب یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ہم اور تم دونوں بہ یک وقت راہ راست پر ہوں۔ اس صریح فرق کے ساتھ تو ہم میں سے ایک ہی راہ راست پر ہو سکتا ہے' اور دوسرا لامحالہ گمراہ ٹھہرتا ہے۔ اس کے بعد یہ سوچنا تمھارا اپنا کام ہے کہ دلیل کس کے برسرہدایت ہونے کا فیصلہ کر رہی ہے اور کون اس کی رو سے گمراہ ہے (تفہیم القرآن' ج ۴' ص ۲۰۱)۔

دل چسپی

عمل دعوت میں دل چسپی بھی ایک ناگزیر عامل ہے۔ دعوت و پیغام کس قدر عمدہ ہو مگر اس کے ابلاغ کے لیے موثر اسلوب اختیار نہ کیا جائے تو مطلوب اثرات حاصل نہیں ہوتے۔ دعوت و تبلیغ کا تعلق چونکہ ایک متحرک' ذی عقل' باشعور انسان سے ہے اس لیے اس کام میں مدعو کے حالات و میلانات کے ساتھ ساتھ' اس کی دل چسپی کو بھی مدنظر رکھنا' داعی کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ اس پیغام کی طرف متوجہ ہو اور اس پر غور کرے۔

قرآن مجید نے اپنے دعوتی اسالیب میں انسانی ذوق اور دل چسپی کے پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔

ذیل میں چند ایک مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

قرآن حکیم نے اپنے پیغام کی طرف متوجہ کرنے اور اس کو آسان انداز میں بیان کرنے کے لیے امثال و تمثیل کا اسلوب اپنایا ہے۔ کیونکہ قرآن کے پیش نظر فہم دین کو مخاطب کے دل میں اتارنا ہے اور اس سلسلے میں وہ بہترین موزوں سے موزوں مثال پیش کرتا ہے۔ قرآن کا نظریہ تمثیل' تفہیم دین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ○ (الحشر ۵۹: ۲۱) یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی حالت) پر غور کریں۔

تمثیلی پیرایہ بیان' افہام و تفہیم کے لیے سب سے زیادہ مفید طریقہ ہے۔ جس سے ایک نامعلوم بات مشہور اور متعارف صورت میں بتائی جا سکتی ہے۔ جن باتوں سے طبیعتیں مانوس نہیں ہیں انھیں جانے پہچانے حقائق کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ معانی کی غیر مرئی کیفیت' مرئی کیفیت سے بدل دی جاتی ہے۔ امثال و تمثیل سے انسان کے اندر فکر و نظر اور قیاس و استنباط کی صلاحیت و استعداد پیدا ہوتی ہے۔

اور اہم چیز یہ ہے کہ جو چیز آدمی کے ذہن سے محو ہو چکی ہوتی ہے وہ دفعتاً تمثیل سے یاد آجاتی ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (الزمر ۳۹: ۲۷) ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دی ہیں کہ یہ ہوش میں آئیں۔

قصے اور کہانیاں انسان کو متوجہ کرتے ہیں' سننے کی رغبت پیدا کرتے ہیں' اور واقعات کا تسلسل معلوم کرنے کا شوق پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے تعلیم و تربیت میں قصوں کا استعمال دور قدیم سے تمام سماجوں میں ایک معروف چیز رہی ہے۔

قرآن کریم نے بھی لوگوں کی نفسیاتی تربیت کرنے' انھیں نصیحت کرنے' اور بہت سی عبرتوں اور حکمتوں کو سکھانے میں قصوں سے مدد لی ہے۔ قرآن کریم نے انتہائی اختصار کے ساتھ قصوں کی دعوتی و تربیتی تاثیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ط (یوسف ۱۲: ۱۱۱) اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے۔

قرآن مجید نے کم سے کم الفاظ میں زیادہ معانی کو سمو دیا ہے اور فنی تعبیرات کی متنوع صورتوں کو ان قصص میں سمیٹ لیا ہے۔ کہیں رواں اور سلیس انداز بیان ہے۔ کہیں گفتگو کی صورت ہے۔ کہیں نغمگی کے حامل چھوٹے چھوٹے مربوط اور ہم وزن فقرے ہیں' کہیں جیتے جاگتے کردار' اور کہیں بڑی جزرسی کے ساتھ واقعے کی باریکیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ قرآن قصے کے ہیرو کا بلند ترین پاکیزہ اور صاف ترین لمحہ بیان کرتا ہے جو مثالی نمونہ بن سکے اور مدعو اس کو اختیار کرنے پر آمادہ ہو سکے۔ اسی طرح منحرفین کے نفوس کا وہ تاریک پہلو اور برائی اجاگر کرتا ہے جس سے دوسروں کو ان سے نفرت ہو اور وہ ان کے برے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ یہ اسلوب درحقیقت قرآن کے مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔

قرآن مجید کے دعوتی اسالیب میں تصویر کشی' واقعہ یا بات کو مجسم و محسوس انداز میں پیش کرنا سب سے عمدہ اور نمایاں اسلوب ہے اور قرآنی مطالب کو ذہن نشین کرانے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ وہ مطالب و معانی ہوں جو فکری و ذہنی ہوتے ہیں' یا انسان کے نفسیاتی حالات و کیفیات اور واقعات و حوادث' یا انسانی کردار اور طبیعتیں۔ قرآن ان سب کو ایسی تصویروں کی صورت میں پیش کرتا ہے جیسے انسان چشم تصور سے دیکھ رہا ہو' محسوس کر رہا ہو اور اس طرح ایک انسانی کردار زندہ شخص بن کر آنکھوں کے سامنے نمودار ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید نے دعوت حق کے ابلاغ میں دل چسپی پیدا کرنے اور بات سمجھانے میں اس موثر اسلوب کو کثرت سے استعمال کیا ہے۔ ذہنی' فکری و مجرد معانی مفاہیم سے لے کر' حکایات' قصص' تمثیلات تک کے

واقعات کو بھی متحرک و مجسم انداز میں پیش کیا ہے۔ قرآنی دعوت میں تصویر کشی کے اہم اسالیب میں چند ایک درج ذیل ہیں۔ مثلاً ۱۔ ذہنی تصورات و مفاہیم کی تصاویر' ۲۔ انسانی نفسیات اور کردار کی تصاویر' ۳۔ حوادث' قصص اور تمثیلات کی منظر کشی' ۴۔ عالم آخرت کی تصویریں' ۵۔ دعوت دین کی تصویریں' ۶۔ جذبات و احساسات کی تصویر کشی' ۷۔ قرآنی واقعات میں شخصیت نگاری' ۸۔ کامل نسل انسانی کے نمونے۔[1]

انسانی بصیرت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے قرآن نے ہمیشہ ہدایت اور احساس کو بیدار کرنے کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اس مقصد کے لیے قرآن میں جو مواد موجود ہے وہ محسوس مناظر اور دیکھے جانے والے حوادث پر مشتمل ہے۔ یہ وجدانی انداز کلام حواس کو متاثر کرتا' قوت متخیلہ کو بیدار کرتا' انسانی بصیرت کے دروازے پر دستک دیتا اور ضمیر کو خواب غفلت سے جگاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نفس انسانی ان حقائق کو قبول کرنے اور ان پر یقین کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کے اس اسلوب کا مکمل احاطہ کرنا تو مشکل ہے۔ چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں:

○ عمل خیر پر آمادہ کرنے اور اخلاق حسنہ کو اختیار کرنے کے لیے مجرد فکری و ذہنی تلقین نہیں کی بلکہ ایک نیک' بااخلاق انسانی کردار کا نمونہ بیان کر دیا' اور انسان پورے شعور اور احساس کے ساتھ جس قدر ہو سکے اپنی مرضی سے اس کو اختیار کرے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ...... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (المومنون ۲۳: ۱-۱۱) یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو: اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں' لغویات سے دور رہتے ہیں' زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں' اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور اُن عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر محفوظ نہ رکھنے میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں' البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں' اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں' اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ تربیت کا ایک بہترین مثالی نمونہ ہے کہ نفس انسانی سے کسی عمل کا مطالبہ اس طرح کیا جائے کہ اسے یہ احساس تک نہ ہو کہ اس سے کسی عمل کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ صرف ایک خوب صورت و دل کش اور حسین نمونہ سامنے رکھ دیا جائے اور اس میں اس قدر کشش ہو کہ انسان خود بخود اس کی طرف کھنچتا چلا آئے' اور اس نمونے کو اپنانے کی سعی کرے۔

○ قرآن مجید لوگوں کے سامنے اس منظر کو پیش کرنا چاہتا ہے کہ اس دنیا کی مدت کتنی کم ہے' جو لوگوں کو اخروی زندگی سے غافل بنا رہی ہے۔ وہ اس منظر کو یوں بیان کرتا ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○ (الکہف ۱۸:۴۵) اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کر دو۔ (وہ ایسی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں اور خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں تین حصے ہیں: (۱) پانی جو آسمان سے اتارا۔ (۲) زمین کی روئیدگی اس کے ساتھ مل گئی۔ (۳) پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں۔ ان تین مختصر جملوں میں تین پیہم مناظر ہیں اور دنیا کی زندگی کی مثال' ان جیسی ہے کہ وہ بھی اس طرح ختم ہو جاتی ہے' افسوس زندگی کس قدر مختصر ہے (سید قطب شہیدؒ' التصویر الفنی فی القرآن ' مترجم غلام احمد حریری)۔

الغرض یہ کہ جہاں کسی ایسے معنی و مفہوم کا اظہار مقصود ہو جو مجرد عن المادہ ہے' یا نفسیاتی حالت اور معنوی صفت کا ذکر مقصود ہو' یا انسانی نمونہ یا وقوع پذیر ہونے والے واقعے' یا گذشتہ قصے پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہو' یا قیامت کے مناظر میں سے کسی منظر کا بیان کرنا ہو' یا جنت و جہنم کے راحت و عذاب کا ذکر مقصود ہو' قرآن کریم نے اسی اسلوب کو پیش نظر رکھا ہے۔

المختصر یہ کہ نفس و فطرت انسانی ہمیشہ اس کام کی طرف راغب ہوتی ہے جس میں اس کی دل چسپی ہو' اور جس میں اس کو مالی و جسمانی فوائد حاصل ہوں' یا جس کی بدولت وہ کوئی بلند مقام و مرتبہ حاصل کرے۔ تحریک و تشویق' ترغیب و ترہیب وہ ذرائع تحریک ہیں' جو فطرت و نفس انسانی کو عمل پر ابھارتے ہیں اور مشکل سے مشکل کام اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نفسیاتی طریقہ دعوت کو جا بجا استعمال کیا گیا ہے اور ہر وہ نفسیاتی محرک' جو انسانی فکر و سوچ کو آمادۂ عمل کرے اور ہر فطرتی داعیہ جس کے لیے انسان متحرک ہو' قرآن نے بیان کیا ہے اور ان تمام عوامل کا رخ انسانی تربیت و ہدایت کے لیے متعین کیا ہے تاکہ انسان اس پیغام حق کی حقانیت کو بآسانی سمجھ سکے' اور اس کو قبول کرنے کے بعد اس پر عمل پیرا ہو سکے۔

حواشی

(۱) اسلوب تصویر کشی پر سب سے عمدہ' تحقیقی و تخلیقی کام' سید قطب شہیدؒ کا ہے۔ آپ کی تفسیر' فی ظلال القرآن میں بھی اس کے نمونے ملتے ہیں اور اس کے علاوہ اس فن پر مستقل دو تصانیف بالترتیب:

(۱) التصویر الفنی فی القرآن ' قرآن مجید کے فنی محاسن' (مترجم غلام احمد حریریؒ) (تصاویر قرآنی' خرم مرادؒ)' (۲) مشاھد القیامة فی القرآن' (مترجم نصراللہ خان خازن) ہیں۔

قائد کا بنیادی کام : قیادت تیار کرنا

قائد کی ذمہ داریوں کی فہرست بہت طویل ہے۔

لیکن کسی قائد کا حتمی امتحان یا اس کی تکمیلی صفت قیادت کی تیاری ہے۔

قائد کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ تنہا قیادت کی تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔

وہ افراد کو اپنے ساتھ ملا کر ایک بہترین ٹیم کی شکل میں ہی ایسا کر سکتا ہے۔

اسے ایسی ٹیم کا انتخاب کرنا ہوتا ہے جس کا ہر فرد قائد کے کام کو تقویت پہنچانے میں اپنی جگہ
کلیدی کردار ادا کر رہا ہو اور
قائد کی جگہ خالی ہونے پر اس کا نعم البدل ثابت ہو!

قائد کا کام ہر سطح پر قیادت کی تیاری کے کام کی قیادت کرنا ہے۔

جو افراد میسر ہوں ان کو ایسی ذمہ داریاں دینا جن سے ان کا قائدانہ جوہر نکھر کر سامنے آئے۔

اس کام میں کامیابی قائد کو عظیم قائد اور قائد اعلیٰ بناتی ہے۔

بہترین قائد۔۔۔
دراصل بہترین معلم ہوتا ہے۔۔۔
اور بہترین معلم بہترین قیادت تیار کرتا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں انسانیت کے لیے معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (الحدیث)

۲۰ ویں صدی

احیائے اسلام کی صدی!

☆

۲۱ ویں صدی

غلبہ اسلام کی صدی!!

☆

سید مودودیؒ کے انقلابی لٹریچر نے امت مسلمہ کے
نوجوانوں کو عزائم اور خواب دیے اور راہ عمل دکھائی

معاشرت، سیاست، معیشت، تربیت، تزکیہ ہر دائرے میں رہنمائی

مکمل لٹریچر کے لیے لکھیے

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

13- شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

فون : 7669546 - 7664505 فیکس : 7658674

e-mail: islamic@ms.net.pk

شو روم : 10- چیمبر جی روڈ، اردو بازار، لاہور۔ فون : 7248676

تحریک اسلامی اور اس کے عالمی اثرات

عبدالرشید صدیقی ○

تحریک اسلامی آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دنیا کے گوشے گوشے میں احیاے اسلام کا کام سرانجام دے رہی ہے۔ اس کے ہمہ گیر اثرات مقامی آبادیوں سے لے کر ایوان ہاے حکومت کے دریچوں تک دیکھے جاسکتے ہیں۔ آج سے ۶۰'۷۰ برس قبل اس بات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اسلام پھر ایک انقلابی تحریک بن کر روے عالم پر اپنے اثرات مرتب کر سکے گا۔ بیسویں صدی کے اختتام پر اس کے عالمی اثرات کے جائزے اور تجزیے کی ضرورت ہے۔ اس لیے یہ دیکھنا ہو گا کہ یہ تحریک کیوں وجود میں آئی؟ اس کے ابھرنے کے اسباب کیا تھے اور کیوں وہ تیزی سے تمام دنیا میں پھیل گئی؟ آج اس کے عالم اسلام اور مغربی دنیا میں کیا اثرات ہیں؟ اور اس کی راہ میں کیا مزاحمتیں ہیں اور تحریک کس طرح ان کا مقابلہ کر رہی ہے؟ نیز اس ضمن میں مستقبل میں امت مسلمہ کو کیا ذمہ داری ادا کرنا ہے؟

ا۔ تحریک اسلامی کے قیام کے اسباب

(الف) پہلی جنگ عظیم کے بعد عالم اسلام انحطاط اور بدحالی کے دور سے گزر رہا تھا۔ گذشتہ چند صدیوں کے اخلاقی اور سیاسی زوال سے مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگیوں میں متعدد خرابیاں رونما ہوئی تھیں' خاص طور سے اجتماعی زندگی میں اسلامی شریعت اور اس کی تعلیمات کا عمل دخل بڑی حد تک ختم ہو گیا تھا۔ اس دور کا ایک موثر نقشہ مولانا الطاف حسین حالیؒ نے مسدس کے "مقدمہ" میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے ان حالات کی بڑی دردناک تصویر کشی کی ہے:

> قوم کی حالت تباہ ہے۔ عزیز ذلیل ہو گئے ہیں۔ شریف خاک میں مل گئے ہیں۔ علم کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ دین کا صرف نام باقی ہے۔ افلاس کی گھر گھر پکار ہے۔ تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہے۔ رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے۔ جہالت اور تقلید سب کی گردن پر

○ ریسرچ اسکالر' اسلامک فاؤنڈیشن' لسٹر' برطانیہ

سوار ہے۔ امرا جو قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں' غافل ہیں۔ علما جن کو قوم کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے' زمانے کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں (ص ۴)۔

اس عالم یاس میں انھوں نے مسدس حالی کا آغاز اس قطعے سے کیا:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے　　اسلام کا گر کر ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے جزر کے بعد　　دریا کا ہماؤ سے جو اترنا دیکھے

اور آخر میں بجناب سرور کائنات افضل الصلوت و اکمل التحیات ؐ یہ عرض حال سنائی؎

اے خاصہٴ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

حالی نے تو نہایت ہی مودبانہ گزارش اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی تھی۔ لیکن اقبال ضبط نہ کر سکے اور بقول شکیل بدایوانی: حالی نے زباں سے کچھ نہ کہا' اقبال شکایت کر بیٹھے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنا شکوہ بارگاہ خداوندی میں یوں پیش کیا؎

طعن اغیار ہے' رسوائی ہے' ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

(ب) مسلم ممالک پر مغرب کے تسلط سے جہاں سیاسی طور پر مسلمان مغلوب ہوئے تھے وہاں اس کے ساتھ ساتھ تمام اسلامی اقدار بھی متاثر ہوئی تھیں۔ دور جدید کے تمام سیاسی اور معاشی نظریات: نیشنلزم' لبرلزم' سیکولرزم اور اشتراکیت جس سرعت سے تمام دنیا پر چھا رہے تھے' مسلمان بھی انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر ان کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ مسلمانوں کی ثقافتی شخصیت غیر اسلامی اقدار کی نذر ہو گئی۔ اس طرح ایک نیا دور جاہلیت تمام دنیا پر مسلط ہو گیا۔

بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں' جب کہ اسلامی تحریک وجود میں نہیں آئی تھی' مسلم ممالک میں اسلامی ادارے قائم تھے اور علمائے کرام کے دلوں میں اسلامی احیا کا جذبہ موجود تھا' اور وہ اسلام کی سربلندی کی جدوجہد کی کوششیں بھی کر رہے تھے۔ ان لوگوں میں سرفہرست جمال الدین افغانیؒ (۱۸۳۸۔۱۸۹۷) اور ان کے شاگرد علامہ محمد عبدہؒ' اور علامہ رشید رضاؒ کے نام آتے ہیں۔ سوڈان میں مہدی سوڈانیؒ کے پیرو احیائے اسلام کے کام میں سرگرم تھے۔ ان کے علاوہ نائیجیریا میں عثمان دان فودیو کی تحریک جو عارضی طور پر اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب بھی ہوئی' بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ تاہم ان تمام قابل قدر کوششوں کے باوجود اسلامی تہذیب اور ثقافت کا احیا چند مخصوص علاقوں میں مخصوص وقت کے لیے ہی ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ رہی کہ باوجود اس کے کہ ان لوگوں نے مغربی استعمار کے خلاف جہاد بھی کیا اور علوم اسلامی کی اشاعت میں سرگرمی بھی دکھائی اور تزکیہ و تربیت کا اہتمام بھی کیا لیکن وہ اسلام کو

ایک منظم نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کرنے اور اس کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شاید اس دور میں ان کے لیے اتنا کچھ کرنا ہی ممکن تھا۔

(ج) ان حالات کے پیش نظر بصیرت اور خداداد صلاحیتوں کے حامل علما نے اس بات کا تہیہ کیا کہ امت مسلمہ کو قعر گمنامی اور اس کی زبوں حالی سے نکالنے کے لیے اسلامی عقائد' اسلامی نظام اور اسلامی طرز زندگی کو از سرنو بحال کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد سے مغرب سے آئے ہوئے علوم و فنون پر ناقدانہ محاکمہ پیش کیا جائے اور ان کو اسلامی نقطۂ نظر کا پابند بنایا جائے۔ ایک جدید علم کلام سے لوگوں کی سوچ و فکر میں انقلاب برپا کیا جائے۔ سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ اسلام کو محض ذاتی اور شخصی زندگی میں محدود نہ کر دیا جائے بلکہ اس کی اجتماعی زندگی سے متعلق تعلیمات کو دوبارہ معاشرے میں نافذ کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ خاص طور سے اسلام کا معاشی اور سیاسی نظام نکھار کر پیش کیا جائے۔ کیونکہ جب تک اسلام کا سیاسی رنگ غالب نہیں ہوتا اس وقت تک اسلام کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ تو محض چند افراد کی متقیانہ زندگیاں اور ان کی اعلیٰ سیرتیں معاشرے میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں لا سکتیں۔ علامہ اقبالؒ نے بڑی حکیمانہ بات فرمائی ہے ؎

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

(د) پہلی جنگ عظیم میں ترکی کی شکست کے بعد خلافت اسلامیہ کا مسئلہ عالم اسلام کے لیے بڑی اہمیت کا حامل رہا۔ ہندستان میں تحریک خلافت چلی تاکہ اس اہم ادارے کو جو امت کی یک جہتی کی علامت رہا ہے' برقرار رکھا جا سکے۔ لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ کمال اتاترک نے ۱۹۲۴ میں خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح جو رہا سہا نظم اجتماعیت باقی تھا' وہ بھی منتشر ہو گیا۔ اس کے ذہنی صدمے سے امت مسلمہ کے بہی خواہوں میں تہلکہ مچ گیا۔ ارباب فکر سوچنے لگے کہ اس نئی صورت حال کے پیش نظر امت کو کس طرح منظم کیا جائے' تاکہ وہ اپنے مقام اعلیٰ کو پا سکے اور دینی فریضے کو انجام دے سکے۔

(ہ) خلافت عثمانیہ کا ختم ہو جانا اور سیاسی اقتدار کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا' امت مسلمہ کے لیے بڑا زبردست المیہ تھا۔ مغربی قوتوں نے عالم اسلام پر بجز سعودی عرب اور افغانستان' پوری طرح اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ مسلمانوں نے نہ صرف سیاسی اقتدار کھو دیا بلکہ اس کے ساتھ وہ تمام ادارے جو صدیوں سے اسلامی حکومت نے قائم کیے تھے' مفقود ہو گئے۔ تعلیمی ادارے' درس گاہیں' شفاخانے' سرائے' رفاہ عامہ کے اوقاف' نظام عدالت' اسلامی قوانین' یہ تمام ہی دور غلامی میں یک لخت ختم ہو گئے اور حکومت کا ڈھانچا (infra structure) جو صدیوں سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں منظم ہوا تھا' بکھر گیا۔ اس کے بجائے مغرب سے درآمد نظام تعلیم' فوج داری قانون' قانون شہادت اور نظام عدالت مسلط کر دیا گیا۔ مغربی

نظام تعلیم جس کے تحت اسکول اور یونی ورسٹیاں قائم ہوئیں' ان میں مسلمانوں کی نئی پود کی تعلیم و تربیت ہوئی اور اس طرح وہ مغرب کے رنگ میں رنگ گئی۔ اس نے اپنی عافیت اس میں سمجھی کہ وہ مغرب سے در آمد افکار و اقدار کو اپنا کر "ترقی کی راہ" پر گامزن ہو جائے۔ چنانچہ زندگی کے تمام ہی شعبے مغربی اقدار کے زیر اثر آگئے۔ اسلام چند عبادات اور شخصی قانون (personal law) میں محدود ہو کر رہ گیا۔

۲۔ اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کی تاسیس

(الف) مختصراً یہ وہ حالات تھے جن میں حسن البنا شہیدؒ نے ۱۹۲۸ میں اخوان المسلمون کی بنیاد رکھی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ۱۹۳۲ میں ماہنامہ ترجمان القرآن کی اشاعت شروع کی جو بالآخر ۱۹۴۱ میں جماعت اسلامی کی تاسیس کا باعث بنی۔ یہ دو ہم عصر جید مفکرین اسلام دو مختلف ملکوں میں رہنے کے باوجود اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام کا احیا تحریک اسلامی کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اخوان اور جماعت دونوں ہی عالم اسلام اور باقی دنیا میں تحریک اسلامی کے پھیلانے اور اس کے فروغ کا باعث ہوئیں۔

(ب) **تحریک اسلامی کا مفہوم:** "تحریک" کا لفظ قرآن و حدیث میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے جو الفاظ آئے ہیں وہ اقامت دین' شہدا علی الناس' امربالمعروف و نہی عن المنکر ہیں۔ اس دور میں اسلام کا اجتماعی نظام جو ذہنوں سے اوجھل ہو گیا تھا' اسے اجاگر کرنے کی ضرورت تھی' اس لیے "تحریک" کا لفظ استعمال کیا گیا تاکہ اس سے اسلام کا انقلابی تصور دین ذہنوں میں جاگزیں ہو جائے۔

اس موقع پر یہ مفید ہو گا کہ ہم اس کے مفہوم کو جو قائدین تحریک نے پیش کیا ہے خود ان کے الفاظ میں نقل کر دیں۔

"تحریک" کی تعریف

استاذ حسن البنا شہیدؒ: اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک ہمہ گیر اور کل جہتی کام کا آغاز کیا جائے تاکہ ایک مسلمان کو یاد دلا جائے کہ وہ مسلمان ہے اور اس میں اپنی سماجی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا احساس پیدا ہو۔

اخوان ایک تحریک ہے جس کا مقصد قوم کی تعمیر نو ہے۔ اور یہ امت کے سامنے اپنے ہمہ گیر کام کا خاکہ پیش کرتی ہے اور اس کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہے (پروفیسر سعید حویٰ' The Muslim Brotheren' (اخوان المسلمون)' ص ۳۵-۳۶' ۱۹۸۵)۔

مولانا مودودیؒ: تحریک اسلامی کا مقصد اس دنیا میں قیادت میں تبدیلی لانا ہے (ص ۷۰)۔ اسلام کے مقاصد اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں' جب کہ معاشرے میں اقتدار ایمان والوں اور متقین کے ہاتھ میں ہو (

تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں' ص ۷۹)۔

خرم مراد": ایک منظم جدوجہد جس کا مقصد موجود معاشرے کو اسلامی معاشرہ' جو قرآن اور سنت پر مبنی ہو' میں تبدیل کرنا ہے۔ اسلام جو زندگی کے تمام شعبوں کے لیے ضابطہ و قانون فراہم کرتا ہے' خاص طور سے سماجی اور سیاسی شعبوں میں' اس کو فوقیت دینا اور اس کو غالب کرنا ہے۔

(Islamic Movement in The West: reflections on some issues)

مولانا خلیل حامدی": اسلامی تحریک سے مراد وہ کوشش ہے جو دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کے دین کو زندگی کے ہر پہلو میں غالب کرنے کے لیے سرانجام دی جا رہی ہے۔ اسلامی تحریک کا تصور دین یہ ہے کہ اسلام پوری زندگی کا نظام ہے اور اس نظام کا مرکزی نکتہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا تصور ہے۔ اگر کسی معاشرے میں زندگی کے کسی شعبے میں خواہ وہ سیاسی ہو یا اقتصادی' معاشرتی ہو یا قانونی' تعلیمی ہو یا اخلاقی' اللہ کی حاکمیت کے بجائے کسی اور شخص یا نظریے یا گروہ کو مآخذ اختیارات تسلیم کیا گیا ہے' وہ جاہلی معاشرہ ہے۔ اسے بدلنے کی جدوجہد کرنا' اللہ کے دین کے علم برداروں کا فرض ہے (**تحریک اسلامی کے عالمی اثرات' ص ۳)۔**

ان تعریفوں کی رو سے تحریک اسلامی ایک عالم گیر تحریک ہے اور دنیا کے تمام ہی ممالک میں بیک وقت برپا کی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تحریک ایک مخصوص نام کو اپنا لے بلکہ ہر ملک کے حالات کے مطابق وہاں وہ اپنے کام کا جائزہ لے اور مناسب حکمت عملی اختیار کر کے وہاں دعوتی کام سرانجام دے۔ چنانچہ عملاً ایسا ہوا بھی۔ برعظیم کے ممالک (پاکستان' بھارت' سری لنکا اور کشمیر) میں جماعت اسلامی کے نام ہی سے ہر ملک میں آزاد تنظیمیں قائم ہیں۔

مصر اور دیگر عرب ممالک میں' خصوصاً مصر اور شام میں' جہاں اخوان پر مصائب اور دور ظلم گزرا وہاں کے حالات کی وجہ سے وہ خفیہ اور زیر زمین (under ground) کام کر رہی ہے۔ صرف اردن میں اخوان' اپنے نام سے کام کر رہے ہیں اور ان کی پارلیمنٹ میں بھی نمایندگی ہے۔ خلیجی ریاستوں میں جمعیت الاصلاح اور جمعیت الارشاد' الجزائر میں اسلامی فرنٹ FIS (Front Islamique Salnt)' تیونس میں تحریک رجحان اسلامی اور بعد میں **نہضتہ الاسلامی** اور فلسطین میں تحریک مزاحمت اسلامی (حماس) کے نام سے کام ہو رہا ہے۔

ترکی میں رفاہ پارٹی (پابندی کے بعد فضیلت پارٹی) اور سوڈان میں قومی اسلامی فرنٹ (National Islamic Front) حکومتیں بنانے میں بھی کامیاب ہوئیں لیکن ترکی کا سیکولر طبقہ رفاہ پارٹی کو زیادہ عرصہ برداشت نہ کر سکا اور اسے غیر قانونی قرار دے دیا۔ انڈونیشیا میں پہلے ماشوجی پارٹی اور اب مجلس دعوت اسلامی کے نام سے کام ہو رہا ہے۔ ملائیشیا میں ABIM دعوت اسلامی کا کام کر رہی ہے۔

شمالی امریکہ میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (Islamic Society of North America) اور اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (Islamic Circle of North America) کے نام سے تحریک کا کام ہو رہا ہے۔ برطانیہ میں اخوان اور جماعت سے متاثر کئی جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سب سے پرانی تنظیم' یوکے اسلامک مشن ہے۔ مشرقی پاکستان کے الگ ہو جانے کے بعد مشن سے وابستہ بنگالی اصحاب نے دعوت الاسلام کے نام سے کام کو منظم کیا۔ نوجوانوں میں کام کے لیے ینگ مسلم (Young Muslim) اور انگریزی دان طبقہ اور نومسلموں کے لیے اسلامک سوسائٹی آف برٹین (Islamic Society (ISB) of Britain) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اخوان سے متعلق جماعتیں مسلم اسٹوڈنٹس سوسائٹی (Muslim Students Society) اور رابطہ اسلامی ہیں۔ اسلامک فورم یورپ (Islamic Forum Europe) بھی دعوت اسلامی کے کام میں سرگرم عمل ہے۔ اس طرح دیگر یورپی ممالک میں بھی اخوان اور جماعت سے متعلق جماعتیں کام کر رہی ہیں۔

۳۔ تحریک اسلامی کے اثرات عالم اسلام میں

(الف) ذہنی تبدیلی : کوئی تحریک اس وقت تک کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنے کارکنوں میں ذہنی انقلاب اور فکری ہم آہنگی نہ پیدا کرے۔ صدیوں کے جمود کے بعد یہ ضروری ہوا کہ سب سے پہلے ذہنی تبدیلی رونما ہو۔ چنانچہ تحریکی لٹریچر نے مسلمانوں کے سوچنے کے انداز اور فکر میں تبدیلی پیدا کی۔ شعوری طور پر مسلمانوں نے محسوس کیا کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں ہے جو عبادات اور نجی زندگی تک محدود ہے' بلکہ یہ ایک مکمل نظام حیات ہے جس کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے ہے۔ تحریکی لٹریچر نے سوچ و فکر کے دروازے وا کیے۔ ان میں مروجہ نظام ہائے زندگی' مثلاً سرمایہ داری' اشتراکیت' لبرلزم پر محققانہ تبصرے کیے' اور واضح کیا کہ اسلامی نظام حیات ان سب سے برتر ہے اور اس میں انسانیت کی فلاح ہے۔ یہ ایک علمی چیلنج تھا' جس نے عوام و خواص سب کے دلوں اور ذہنوں کو مسخر کر لیا۔

(ب) اسلام ایک نظام حیات : اس صدی کی ابتدائی چوتھائی کی اسلامی کتب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور اس کو نافذ کرنا مسلمانوں کا فرض ہے' سامنے نہیں آتی۔ اگرچہ انیسویں صدی میں جمال الدین افغانی کی پین اسلامزم تحریک' اور اس صدی کے اوائل میں مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال کے مضامین' اور مولانا محمد علی جوہر کے ہمدرد اور کامریڈ کے مضامین میں ان افکار کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ بات عوام کے شعور پر کسی طرح بھی اثرانداز نہ ہو سکی تھی۔ یہ تحریک اسلامی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج جو بھی اسلام کی بات کرتا ہے وہ نظام حیات کا ذکر کرتا ہے حتیٰ کہ تحریک کے مخالفین "نظام مصطفیٰ" کا نعرہ لگانے کے لیے مجبور ہو گئے ہیں۔ مختلف ممالک کی برسراقتدار جماعتوں کو بھی اسلام کا لیبل لگائے بغیر پذیرائی حاصل نہیں ہوتی۔

اسلامی تحریک کی بدولت دین و دنیا کی تفریق کا تصور ختم ہوا۔ اگرچہ اب بھی مسلمانوں میں شکست خوردہ ذہنیت باقی ہے۔ تحریک نے یہ بات بھی ذہن نشین کرائی ہے کہ جب تک اسلامی نظام قائم نہیں ہوتا' دین کے تمام تقاضے پورے نہیں کیے جا سکتے۔ چنانچہ اس نظام کے قیام کے لیے جدوجہد تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔

(ج) دعوت و تبلیغ : تحریک کے مقاصد میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل رہی ہے کہ اسلام کی دعوت ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے۔ دعوت و تبلیغ کا یہ سلسلہ صرف لٹریچر کی اشاعت تک محدود نہ رہا بلکہ ہر شہر اور قریے میں انفرادی ملاقاتیں' ہفتہ وار اجتماعات اور تربیتی پروگراموں کا ایک ہمہ گیر سلسلہ (new work) شروع کیا گیا تاکہ دین کی دعوت موثر انداز میں پیش کی جائے' لوگوں میں اسلام سے وابستگی پیدا ہو' ان کی زندگیوں میں اسلامی اقدار کا نفوذ ہو اور اس سے ان میں خوش گوار تبدیلی رونما ہو۔ دعوت و تبلیغ کے لیے ہر طریقہ جو موثر ہو' وہ استعمال کیا گیا۔ کتاب' وڈیو' اخبارات و رسائل' پریس کانفرنس' جلسہ اور جلوس' جو بھی جس مقصد کے لیے مفید و مناسب خیال کیا' تحریک کے قائدین نے ان کو استعمال کیا۔

(د) جذبہ جہاد اور قربانی : تحریک محض تبدیلی افکار تک محدود نہ رہی بلکہ اس کا ہمیشہ یہ تقاضا رہا کہ اس راہ میں عملی جدوجہد کی جائے۔ جہاں دعوتی کام تبلیغ و تلقین کی صورت میں عوام کی اصلاح کے لیے کیا گیا' وہاں اجتماعی جدوجہد اور اس کے لیے قربانیاں پیش کرنا بھی عین تقاضاے دین بن کر سامنے آیا۔ تحریک نے اپنے کارکنوں میں جذبۂ قربانی اور جہاد کو فروغ دیا۔ عملی جدوجہد' چاہے وہ مظاہرے ہوں یا الیکشن' یہ سب دعوت دینے کے لیے ضروری قرار پائے۔ تحریک سے متاثر افراد نے نہ صرف مالی قربانی اور اپنے اوقات کی قربانی پیش کی' بلکہ تحریک کے نوجوانوں نے عملاً فلسطین' افغانستان' کشمیر' بوسنیا' چیچنیا اور دیگر محاذوں پر جہاد میں شرکت کی' اور بڑی بہادری سے اس میں حصہ لیا اور جام شہادت نوش فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول کرے اور مقام اعلیٰ عطا فرمائے (آمین)۔

(ہ) نوجوان نسل کا اسلام سے تعلق : یوں تو تحریک سے مسلمان عوام و خواص سب ہی متاثر ہوئے ہیں اور اس کا نفوذ معاشرے کے ہر طبقے میں ہوا ہے لیکن نوجوانوں کی اسلام سے گہری وابستگی ایک خوش آیند تبدیلی ہے۔ اوپر ان کے جذبۂ جہاد اور قربانی کا ذکر ہو چکا ہے۔ تحریک سے متاثر طلبہ نے تعلیم گاہوں میں اسلامی لباس اور طرز معاشرت کو رائج کرنے اور طلبہ کو اسلامی نظام سے متعارف کرانے اور اس میں شمولیت کا بڑا زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

مغربی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے لیے ان نوجوانوں نے تمام ہی مسلم ممالک میں نمایاں حصہ لیا۔ اسلامی نظام کے قیام کا نعرہ ہی وہ موثر صدا تھی جس نے مختلف مذاہب فکر کو جمع کیا تھا اور ان سب کی

مشترکہ جدوجہد سے ان ممالک نے آزادی حاصل کی تھی۔ لیکن جب برسراقتدار طبقے نے ان مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں اپنے ذاتی مفاد کا نقصان سمجھا اور پھر بیرونی سامراجی طاقتوں کی مزاحمت کے آگے سپرانداز ہونے میں اپنی عافیت سمجھی' تو طلبہ اور نوجوانوں نے ان کے اس رویے کے خلاف احتجاج کیے اور مغربی اقدار کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اپنے لباس' رہن سہن اور طور طریقوں میں اسلامی اقدار کو اپنایا جس سے معاشرے میں خوش آیند تبدیلی رونما ہوئی۔

(و) **تحریک میں خواتین کا حصہ** : مغربی تہذیب کے اثرات سے عالم اسلام میں تحریک آزادیِ نسواں بڑی شدومد کے ساتھ پھیل گئی تھی۔ تحریک سے وابستہ خواتین نے مغربی اقدار کو مسترد کر کے حجاب کو رائج کیا اور اس بات کو ثابت کیا کہ اسلام عورتوں کو مساویانہ حقوق دیتا ہے۔ وہ حجاب میں رہتے ہوئے اسلامی فریم ورک میں خاندان' معاشرہ اور ملکی معاملات میں حصہ لے سکتی ہیں۔ چنانچہ ایک کثیر تعداد میں خواتین نے اعلیٰ تعلیمی اداروں اور معاشی تنظیموں میں شامل ہو کر "سیکولر نسوانیت" (secular feminism) کے مقابلے میں "اسلامی نسوانیت" کو فروغ دیا۔

ایران کے اسلامی انقلاب' جہاد فلسطین اور کشمیر نیز دیگر ہر طرح کی اسلامی جدوجہد میں وہ مردوں کے ساتھ برابر شریک کار رہی ہیں۔ آج ترکی کی سیکولر حکومت مسلم خواتین کے حجاب پر اصرار سے نبرد آزما ہے۔ وہاں سیکولر طبقہ یونی ورسٹیوں میں ان طالبات کو جو باحجاب ہیں' خارج کرنے پر تلا ہوا ہے۔ خود مغربی ممالک کے تعلیمی اداروں میں خصوصاً فرانس اور برطانیہ میں طالبات کے اسلامی لباس اور حجاب کی پابندی کی وجہ سے منتظمین ادارہ پریشان ہیں۔ ایک طرف تو مساوات اور شخصی اور مذہبی آزادی کے پرجوش نعرے ہیں اور دوسری طرف ان ہی اقدار کو پامال بھی کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح دفاتر اور کاروباری اداروں میں بھی خواتین باحجاب کام کرنے پر اصرار کر رہی ہیں جس سے پورے معاشرے میں اسلامی تہذیب سے آگاہی پھیل رہی ہے۔

(ز) **اسلامی لٹریچر کی اشاعت** : ایسا لٹریچر جو زندگی کے تمام مسائل کا اسلامی حل پیش کرے' تحریک کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اسلامی علوم اس سے قبل صرف قرآن' حدیث' فقہ اور تاریخی مسائل کو زیر بحث لاتے تھے۔ معاشیات' سیاسیات' عمرانیات میں اسلامی علوم کا عمل دخل اور حصہ (contribution) جسے بین الاقوامی سند (recognition) حاصل ہو' مفقود تھا۔ آج سے ۲۰ برس قبل اسلامی معاشیات ایک نامانوس علمی شعبہ (discipline) تھا۔ یہ تحریک کے اہل علم اور دانش وروں کی مثالی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج اسلامی معاشیات یورپ اور امریکہ کی اعلیٰ درس گاہوں میں نصاب میں شامل ہے اور وہاں اس پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں خاص طور سے بلاسودی بنک کے تجربات نہ صرف مسلم ممالک میں بلکہ خود مغرب میں غیر مسلم بنک کار کر رہے ہیں۔ اسی طرح سیاسیات میں اسلامی اصول سیاست بھی مغربی

یونی ورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے۔

تحریک کا یہ ہمہ گیر لٹریچر ایک محتاط اندازے کے مطابق اب دنیا کی ۴۰ زبانوں میں موجود ہے۔ اس طرح بین الاقوامی سطح پر لوگ اسلام اور اس کی تعلیمات سے روشناس ہو رہے ہیں۔

۱۹۸۱ میں اسماعیل فاروقی مرحوم کی کوششوں سے تمام علوم کو اسلامی طرز فکر میں ڈھالنے کے لیے اہم کام کا آغاز عالمی ادارہ فکر اسلامی (International Institute of Islamic Thought – IIIT) کے قیام سے ہوا۔ اس طرح اسلامی فکر اور تحقیق کے نئے زاویے سامنے آئے اور مغربی اور سیکولر فکر پر قائم علوم کی جگہ اب اسلامی اور قرآنی فکر پر علوم کی تشکیل جدید کا کام ہوا ہے جس سے فکرو نظر کی نئی راہیں کھل رہی ہیں۔

(ج) اسلامی ادب کا فروغ: تحریک نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا۔ چنانچہ ادب' اور شعروشاعری میں اس کے اثرات نمایاں ہیں۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی عقیدے اور نظریۂ حیات سے وابستہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو اشتراکی تحریک سے متاثر تھے' انھوں نے اشتراکیت کے فروغ کے لیے ادب کو استعمال کیا۔ تحریک کے زیراثر ادب براے ادب کے بجائے ادب براے زندگی کا شعور پیدا ہوا۔ جدت پسندی اور ماورایت سے متاثر افراد نے ادب' آرٹ اور کلچر میں ان اقدار کا اظہار کیا۔ جو لوگ اسلامی تحریک سے متاثر ہوئے ان میں فکری روح' تحریک کی روح تھی۔ انھوں نے اسلام اور دین کی تعلیمات کو فروغ دینے کے لیے ادب کو استعمال کیا۔ قرآن کریم خود ادب عالیہ کا بہترین نمونہ ہے جس کے سامنے شعرا اور خطباے جاہلیت گنگ ہو گئے تھے۔ اسلامی ادبا اور شاعروں نے حضرت حسان بن ثابتؓ کی اتباع میں تحریک کی ترویج اور دفاع ادبی محاذ پر کیا۔

اس سے پہلے تحریک کی تعریف قائدین تحریک کی تحریروں سے پیش کی جا چکی ہے۔ اب تحریک کی تعریف ادبی انداز میں ملاحظہ ہو:

> "تحریک" نہ محض مذہب کا نام ہے' نہ مجرد سیاست کا! وہ نہ صرف ایک فلسفہ ہی فلسفہ ہوتی ہے' نہ فقط کش مکش ہی کش مکش! "تحریک" کا عنوان بڑا وسیع اور جامع ہے۔ وہ نظریات بھی دیتی ہے' اخلاقی قدریں بھی پیدا کرتی ہے' جذبات میں ہلچل بھی مچاتی ہے' اور سیاسی معرکے بھی بپا کرتی ہے۔ تمدن و معاشرہ کی تعمیر بھی کرتی ہے۔ افراد کی اصلاح بھی کرتی ہے اور ادارۂ حکومت میں بھی تغیر لاتی ہے۔ ہاں' وہ دلیل سے پکارتی بھی ہے اور قوت سے سنوارتی بھی ہے۔ وہ "لا" بھی کہتی ہے اور اس کی زبان پر "الا" بھی ہوتا ہے۔ وہ میٹھا میٹھا وعظ بھی کہتی ہے اور کڑوی سے کڑوی تنقید بھی کرتی ہے۔ وہ تسکین بھی عطا کرتی ہے اور اضطراب بھی پیدا کرتی ہے۔ وہ نصیحت بھی کرتی ہے' اور انتباہ بھی دیتی ہے۔ وہ کشش بھی رکھتی ہے' اور کش مکش بھی پیدا کرتی ہے۔ وہ رحم و شفقت کے چھینٹے

بھی دیتی ہے' اور نفرت اور غلاظت کی بجلیاں بھی برساتی ہے۔ وہ بشارت بھی ہوتی ہے' اور دھمکی بھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں قلم ہوتا ہے' تو دوسرے ہاتھ میں تیزہ۔ اس کے ساتھ حق کا بوریا بھی ہوتا ہے' اور شاہی کا تاج بھی! وہ شان جمالی کے ساتھ حی علی الفلاح بھی پکارتی ہے' اور شان جلالی کے ساتھ ھل من مبارز کا نعرہ بھی لگاتی ہے۔

اسلام کا بھی یہی حال ہے۔ وہ زندگی کے کسی ایک گوشے سے منطقی' لگا بندھا کوئی ایک ہی تقاضا نہیں رکھتا بلکہ فرد اور معاشرے کی زندگی کے تمام کے تمام پہلوؤں کے لیے متنوع تقاضے اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کی دنیا صرف نظریات ہی تک محدود نہیں۔ وہ واقعات میں مداخلت کرتا ہے۔ وہ بحر تمدن کے کنارے بیٹھ کر تبصرے نہیں کرتا بلکہ طوفانی موجوں میں کود کر ان پر حکمرانی بھی کرنا چاہتا ہے۔ وہ خیالات کے ساتھ ساتھ جذبات میں ہلچل مچاتا ہے' اخلاق کو سنوارتا ہے' اور پھر فرد کو اٹھا کر ماحول سے ٹکرا بھی دیتا ہے۔ وہ مسجد کے منبر سے لے کر تخت سلطنت تک ہر مقام سے اپنا پیغام سنانا چاہتا ہے۔ وہ جس کش مکش کو خیالات کی دنیا سے شروع کرتا ہے' دیر و سویر وہ عمل کے تمام دائروں میں منعکس ہو جاتی ہے ("تحریک اسلامی چہ معنی دارد" چراغ راہ' جنوری ۱۹۵۷)۔

تحریکات اسلامی کے مابین تعلقات

تحریک اسلامی ایک بین الاقوامی تحریک ہے لیکن وہ ہر ملک میں وہاں کے حالات کے مطابق دعوت اسلامی کا کام اور معاشرے میں اسلامی اقدار کا نفاذ' نیز سیاسی طور پر اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔ اس طرح تحریک کسی مرکزی قیادت کے تحت کوئی جامع تنظیم نہیں ہے بلکہ ہر ملک کی تحریک اپنے اپنے مقام پر اپنی صوابدید اور مقامی حالات کے پیش نظر اپنی پالیسی تشکیل دیتی ہے اور رائے عامہ کو اسلام کے حق میں سازگار کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس اختلاف اور تفاوت کے باوجود ان کے قائدین میں فکری ہم آہنگی برقرار ہے اور وہ ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کرتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ کی کتابوں کے عربی اور دیگر زبانوں میں تراجم سے عالم عرب میں اخوان کے سربراہ اور کارکن جماعت اسلامی کی تحریک سے روشناس ہوئے۔ اس طرح حسن البنا شہیدؒ اور سید قطب شہیدؒ کی کتابوں کے اردو تراجم سے برعظیم کے تحریکی رفقا اخوانی رہنماؤں کے خیالات سے آگاہ ہوئے۔ مولانا مودودیؒ اور مولانا مسعود عالم ندویؒ کے عرب ممالک کے دوروں میں ان کی اخوان کے قائدین' طلبہ اور دیگر کارکنوں سے ملاقاتیں رہیں' اور اس طرح باہمی تعلقات استوار ہوئے اور ذاتی مراسم پیدا ہوئے۔

مصر میں اخوان پر دور ظلم گزرا تو اکثر اخوانی دیگر عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب اور پاکستان میں پناہ گزین ہوئے۔ ان میں ایک اہم شخصیت سعید رمضانؒ کی تھی۔ انھوں نے اور ان کے رفقا نے پاکستان میں پناہ حاصل کی جس سے انھیں جماعت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا' نیز جماعت کے کارکنوں کو بھی

اخوان کے طریقہ کار سے آگاہی حاصل ہوئی۔

آپس کے ان روابط کو مضبوط کرنے کا ایک فطری موقع حج کے دوران باہمی ملاقاتوں اور نشستوں کے اہتمام سے حاصل ہوتا رہا ہے' اور اب بھی ہے۔ ان مواقع پر امت مسلمہ کے عام مسائل اور ہر ملک کے مخصوص حالات پر آپس میں تبادلۂ خیال اور صلاح و مشورہ ممکن ہو سکا ہے۔ اس طرح مختلف ممالک میں جو جہاد اور جدوجہد جاری ہے' اس سے قائدین تحریک کو براہ راست آگاہی حاصل ہوئی۔ یہ تمام کام غیر رسمی سطح پر ہی رہے ہیں تاکہ ان سے تحریک کی مخالفت کا کوئی جواز ان ممالک میں جہاں کی حکومتیں تحریک دشمن ہیں' نہ پیدا ہو سکے۔ (جاری)

☆ فروری ۲۰۰۰ء سے ترجمان القرآن کے زر تعاون میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اب قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے ہوگی اور سالانہ زر تعاون: ۲۰۰ روپے۔

☆ طلبہ و طالبات کے لیے خصوصی شرح ۱۵۰ روپے ہوگی (خریداری کے خواہش مند تعلیمی ادارے کے شناختی کارڈ کی مصدقہ نقل ساتھ ارسال کریں)

☆ بیرون ملک خریداری کی شرح میں ۵۰ روپے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

چاہیے۔ نمایاں سیکولر ملک ترکی ہے جہاں کمال اتاترک نے ۳۸-۱۹۲۳ء کے عرصے میں ملک میں غیر معمولی تبدیلیاں کیں۔ تاہم مسلمانوں میں ایک اقلیت نے ہی اسے اختیار کیا ہے اور ترکی کے علاوہ اس کی چند ایک مثالیں ہی ہیں۔

تجدید پسندی (ریفارم ازم) درمیان کا غیرواضح رجحان ہے۔ اگر لادینیت مغرب سے سیکھنے کا عمل ہے تو تجدید پسندی مغرب کی نقالی ہے۔ تجدید پسند اس طرح سے سوچتے ہیں: "دیکھیے' اسلام اور مغربی طریقے بنیادی طور پر باہم موافق ہیں۔ ہم کامیابیوں کا راستہ کھو بیٹھے جس کو مغرب نے اختیار کر لیا۔ ہمیں مغرب کے طور طریقے اختیار کر لینا چاہییں' جو بآسانی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے ہی طریقے ہیں"۔ اپنے نظریے کو درست ثابت کرنے کے لیے تجدید پسند کلام الٰہی اور مستند حوالوں و کتابوں تک پہنچ گئے۔ وہ مغربی تصورات کی روشنی میں ان کا ازسرنو مطالعہ کرتے ہیں۔ تجدید پسند عموماً اسی طرح کی تعبیریں کرتے ہیں۔ جب سائنس کا معاملہ آیا تو انھوں نے کہا: یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ سائنس تو اصل میں اسلام ہی ہے۔ لفظ "الجبرا" عربی لفظ ("الجبر") سے نکلا ہے۔ ریاضی کی بنیاد الجبرا ہے اور الجبرا سائنس کی بنیاد ہے۔ تمام جدید سائنس اور ٹکنالوجی ہم ہی سے اخذ کیے گئے ہیں۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ مغربی سائنس اور ٹکنالوجی کی مخالفت کی جائے۔ یہ تو محض اس چیز کو اپنی زندگی میں واپس جذب کرنا ہے جو کل مغرب نے ہم سے لی تھی۔ نتیجتاً تجدید پسندی مسلم دنیا میں وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے۔

مسلم امت کی زبوں حالی کا تیسرا ردعمل اسلام پسندی (اسلام ازم) ہے جس پر میں زور دینا چاہوں گا۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق مسلمان پس ماندہ اس لیے ہیں کہ وہ اچھے مسلمان نہیں ہیں' اور عظمت رفتہ کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کے مطابق مکمل طور پر زندگی گزاری جائے۔ اگر مسلمان شریعت پر عمل پیرا رہے ہوتے تو آج بھی دنیا کی امامت و قیادت اسی طرح کر رہے ہوتے جس طرح ہزار سال قبل کر رہے تھے۔ مگر یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت نے زندگی کے ہر پہلو سے متعلق وسیع پیمانے پر قوانین وضع کر رکھے ہیں جو جدید مسائل سے ہم آہنگ نہیں۔ شریعت اسلامیہ میں یہودیت سے مشابہت تو ہے لیکن عیسائیت سے کوئی مماثلت نہیں۔ مثال کے طور پر اس میں سود یا اس طرز کے منافع کو یکسر حرام سمجھا جاتا ہے' جب کہ سود کے معیشت پر گہرے اثرات اور ہمہ گیری سے انکار ممکن نہیں۔ اسی طرح عورتوں کے پردے کا مسئلہ ہے۔ اگر صاف گوئی سے کام لیا جائے تو یہ کہنا بجا ہے کہ جنسی امتیاز یعنی مرد و عورت کی تمیز اور ان کے دائرہ کار کی تفریق کے سماجی اور خاندانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اسلام پسند عمومی طور پر مغربی غلبہ' نفوذ اور اثر پذیری کو رد کرتے ہیں' تاہم ٹکنالوجی' عسکری مہارت اور طبی تحقیقات کے نفوذ کے مخالف نہیں ہیں۔ اسلام پسند چابک دستی سے مغرب کی نقالی کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اس کا انکار کرتے ہیں کہ وہ ایسا کر رہے ہیں۔ ان کا موقف نہ مغرب کی تعلیمات پر مبنی ہے نہ اس

بات پر کہ وہ مغرب سے ان باتوں کو واپس لے رہے ہیں جو مسلمانوں کی ہی تھیں۔ وہ مغرب سے آنے والی چیزوں کو نہ تو جوں کا توں قبول کرنے کے حق میں ہیں اور نہ ہی اس کے دعوے دار ہیں کہ جو کچھ مغرب نے مسلمانوں سے لیا ہے، اسے دوبارہ حاصل کر لیا جائے۔ اسلام پسند مغربی اقدار و روایات، فلسفے اور سیاسی اداروں کو مکمل طور پر رد کرتے ہیں، تاہم اس کے خواہاں ہیں کہ مغرب سے اعلیٰ ٹکنالوجی حاصل کر لی جائے۔ مزید برآں غیر مسلموں خصوصاً یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان کی گہری مخاصمت ہے۔ اسلام پسندوں کے افکار و نظریات اور عمل سے بار بار اس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔

قصہ مختصر، اسلام پسندوں نے اسلام کو ایک عملی نظریے میں بدل دیا ہے۔ اسلام ازم کی اصطلاح ایک مفید اصطلاح ہے کیونکہ یہ بیسویں صدی کے دیگر نظاموں کی طرح ایک نظام یا ازم کو ظاہر کرتی ہے۔ مارکسزم، فاشزم کے بعد اسلام ازم کا ذکر آتا ہے جو ہمارے عہد کے دوسرے تصورات کی طرح اسلامی فکر پر مبنی تصور کی نمایندگی کرتا ہے۔ یہ تصور، مغربی سیاسی اور اقتصادی تصورات کی طرح اسلام میں ایک نئی روح پھونک دیتا ہے۔

جب اسلام پسند اقتدار میں آ جاتے ہیں جیسا کہ ایران، سوڈان اور افغانستان میں آئے، تو اس کا نتیجہ مسائل کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اقتصادی زبوں حالی واقع ہو جاتی ہے۔ ایران، جہاں اسلام پسند دو عشروں سے برسراقتدار چلے آ رہے ہیں، ماضی کی نسبت زیادہ غریب ملک ہے۔ خواتین کے ساتھ ناروا سلوک عام ہے لیکن افغانستان کے حوالے سے یہ زیادہ واضح ہے۔ بہرحال یہ ایک عام مسئلہ ہے۔ نجی حقوق کا احترام نہیں کیا جاتا۔ اسلحے کا پھیلاؤ دہشت گردی اور ظلم و زیادتی کی دیگر صورتیں عام ہو جاتی ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ غنڈہ ریاستیں ہیں۔ اسلام مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے ایک حقیقی خطرہ ہے۔

یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اسلام ازم کیا نہیں ہے۔ یہ روایتی اسلام نہیں ہے بلکہ ایک جدید تصور ہے۔ دونوں نقطۂ ہاے نظر کے درمیان مختلف حوالوں سے خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ روایتی اسلام انسانوں کو یہ سکھاتا ہے کہ کس طرح اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کی جائے، جب کہ اسلام ازم عدل پر مبنی معاشرے کی تخلیق کا متمنی ہے۔ روایتی اسلام کے پیروکار سمجھتے ہیں کہ اسلام کا عروج ہزار سال تک کے لیے ہے، جب کہ جدت پسند مسلمان خود مفسر بن کر براہ راست قرآن سے رجوع کرتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کی روایتی تعبیر کو رد کر دیتے ہیں۔ روایتی مسلمان، جدت پسند مسلمانوں سے اختلاف کرتے ہیں۔ روایتی مسلمان جدید دنیا کے بارے میں پوری طرح باخبر نہیں ہیں، نہ وہ یورپ کی زبانوں سے آگاہ ہیں، نہ وہ مغرب میں زیر تعلیم رہے ہیں، اور نہ ہی وہ مغرب کی ترقی کے راز سے آگاہ ہیں۔ لیکن جدت پسند مسلمان ان تمام معاملات سے بہ خوبی آگاہ ہیں۔ انٹرنیٹ پر سیکڑوں جدت پسند مسلمانوں کے ویب سائٹ ہیں لیکن میرے خیال میں، روایتی مسلمانوں میں سے شاید ہی کسی کا کوئی ویب سائٹ ہو۔

اسلام ازم پیچھے کی طرف نہیں' آگے کی طرف سفر کا نام ہے۔ یہ جدید زندگی کے مسائل سے بحث کرتا ہے۔ چند مستثنیات کے سوا' اسلام پسند دیہاتی' مضافاتی علاقوں کے رہنے والے نہیں ہیں بلکہ شہروں کے رہنے والے ہیں جنھیں جدید شہری زندگی کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے ہاں یہ مسئلہ اکثر زیر بحث آتا ہے کہ ملازمت کرنے والی عورتوں کو کیا کیا مسائل درپیش ہیں؟ وہ عورت جسے پرہجوم پبلک ٹرانسپورٹ سے سفر کرنا ہو' کسی طرح اپنے کو چھیڑخوانی سے بچا سکتی ہے؟ روایتی اسلام پسند تو بآسانی کہہ دیتے ہیں کہ اپنے آپ کو' اپنے چہرے' اور جسم کو ڈھانپ کر رکھو' اور ایسا لباس پہنو جس سے یہ پیغام ملتا ہو کہ مجھ کو ورغلایا نہیں جا سکتا۔

اسلام ازم کیا نہیں ہے کہ موضوع پر' مروجہ نظریات کے برخلاف' مزید گفتگو کرتے ہوئے میری دلیل یہ بھی ہو گی--- یہ غربت کے مسئلے کے حل کے لیے تجاویز پیش نہیں کرتا۔ اگر انتہائی غربت کا حل اسلام ازم کی صورت میں نکل سکتا تو بنگلہ دیش اسلام ازم کا سب سے زرخیز علاقہ ہوتا' جو وہ نہیں ہے۔ اور اگر یہ غریب بنا دیے جانے (impoverishment) کا نتیجہ ہوتا تو عراق' جس کی معیشت ۲۰ برس پہلے کی معیشت کا ۱۰فی صد رہ گئی ہے' بنیاد پرستی کا سرگرم مرکز بن چکا ہوتا' جب کہ ایسا نہیں ہے۔

اس صورت حال میں اسلام ازم کے ساتھ کیا کیا جائے؟

اولاً' ایک عظیم جنگ کا آغاز ہوا چاہتا ہے لیکن یہ جنگ مغرب اور اسلام کے درمیان نہ ہو گی جیسا کہ سیموئل ہنٹنگٹن کا خیال ہے بلکہ یہ جنگ اسلام کے تصور کے بارے میں ہو گی۔ اس جنگ میں دو قسم کے مسلمان فریق بنیں گے یعنی جدت پسند مسلمان اور ان کے مخالف جو ان کے انقلابی تبدیلیوں کے نظریے کو رد کر دیں گے۔ بالآخر یہ لڑائی لادین لوگوں اور اسلام پسندوں کے درمیان ہو گی' یعنی ترکی کے اتاترک اور ایران کے امام خمینی کے درمیان۔ اس جنگ میں ہم جو کہ مسلمان نہیں ہیں۔ ہمارا معاملہ تماشائیوں کا سا ہو گا۔ ہم اس جنگ کے نتائج سے متاثر بھی ہوں گے' یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایک یا دوسرے فریق کے ساتھ کوئی کردار بھی ادا کریں' بہرحال ہمارا کردار ثانوی ہو گا۔

ثانیاً' ہمیں لازماً اسلام بطور مذہب' اور اسلام ازم بطور سیاسی نظریے کے درمیان فرق کرنا ہو گا۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیشہ ''اسلام'' کے بجائے ''اسلام ازم'' کی مذمت کی جائے۔

ثالثاً' چونکہ اسلام پسندوں کے خیال میں اخلاقی طور پر ہم دیوالیہ ہو چکے ہیں اور سیاسی طور پر زوال پذیر ہیں' اس لیے ہم مغرب کے لوگوں کو چاہیے کہ دکھائیں کہ ہمارے بھی اصول ہیں اور ہم بھی باعزم ہیں۔ ہم وہ نہیں ہیں جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ٹھوس موقف اور واضح لائحہ عمل اپنانا چاہیے۔ اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ آیندہ اسلام پسند ہم پر الزام لگا کر حملہ آور نہ ہوں اور ہمیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔

بالفاظ دیگر مغرب کو چاہیے کہ:

○ ان ریاستوں' مسلمانوں' یا کسی سے بھی تعاون کرے جو اسلام پسندوں کے خطرے کی مزاحمت کرتے ہیں۔ ترکی کے ایک جرنیل کے مختصر مگر معنی خیز الفاظ میں "اسلام پسندی خطرہ نمبرایک ہے"۔ جب زیربحث ریاستیں درست پالیسی اختیار کریں تو صورت حال ٹھیک رہتی ہے لیکن ایسا نہ ہو تو الجزائر کی طرح ناخوش گوار صورت سامنے آتی ہے۔ ایسا ہو تب بھی' میں کہوں گا کہ ہمیں حکومت کا ساتھ دینا چاہیے مگر اسے بتا دینا چاہیے کہ ہمیں کیا پسند نہیں ہے اور اس پر رویے کی اصلاح کے لیے دباؤ ڈالنا چاہیے۔

○ اسلامی ریاستوں پر دباؤ ڈالا جائے کہ ہمارے ساتھ جو جارحانہ رویہ انھوں نے اختیار کر رکھا ہے اس میں کمی کریں۔ اسلامی دنیا میں ان لوگوں کی حوصلہ افزائی اور امداد کریں جو اسلام پسندوں کی راہ میں مزاحم ہیں۔ یہ حمایت سے محروم افراد ہیں جو امداد اور تعاون کے لیے مغرب کی طرف دیکھتے ہیں۔

○ تشدد میں ملوث اسلامی گروہوں کو اسی حوالے سے جانا جانا چاہیے' مثلاً جو دہشت گرد ہیں ان سے اسی انداز میں معاملہ کیا جائے۔

○ وہ انتہا پرست تنظیمیں جنھوں نے ہمارے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے' ان سے اسی مناسبت سے معاملہ کیا جائے۔ ان کے ساتھ مذاکرات نہ ہوں' ان کی حوصلہ افزائی نہ ہو' اور نہ ہی ان کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ یہ سب قانونی حیثیت حاصل کرنے کے کھیل کا حصہ ہے۔ ان گروہوں کے ساتھ معاملہ ان کے رویے کی روشنی میں کیا جائے۔

○ مہذب معاشرے کی ترویج کی جائے نہ کہ انتخابات کی۔ تجربے سے ثابت ہے' جیسا کہ الجزائر میں ہوا کہ جب کوئی حکومت اچانک فوری انتخابات کا انعقاد کرتی ہے' اسلام پسند اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں' کیونکہ صرف ان کی تنظیم ہی میدان میں پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں انتخابات کو کسی عمل کا نقطۂ آغاز نہیں بلکہ نقطۂ عروج سمجھنا چاہیے۔ سب سے پہلے رضاکار اداروں کے ذریعے مہذب معاشرے کی تعمیر کے طویل عمل کا آغاز ہو' پھر قانون کی حکمرانی' اقلیتوں کے حقوق' حقوق ملکیت اور اسی قسم کے دیگر امور پر توجہ کی جائے۔ مہذب معاشرے کی بتدریج ترقی سے ہی وہ فضا بنتی ہے جو انتخابات کے لیے مناسب بنیاد فراہم کر سکتی ہے۔

لیجیے' منظر آپ کے سامنے ہے۔ کیا بنیاد پرست اسلام ایک خطرہ ہے؟ ہاں یہ ہے مگر صرف اسلام نہیں۔ اسلام ازم ایک گہرے' جدید عمل کا نام ہے جس کی اتنی قوت ہے کہ افغانستان کی دور دراز وادیوں ہی میں نہیں بلکہ یہاں کینیڈا میں بھی فساد پیدا کر سکتا ہے۔

شہدائے اسلام کے جانشین بنئے



اہلِ ایمان کے لیے خوشخبری

امام المجاہدینؐ نے فرمایا

جس نے اللہ کی راہ میں لڑنے والے غازی (مجاہد) کو ساز و سامان مہیا کیا وہ بھی غازی ہے اور جو غازی (مجاہد) کے پیچھے اس کے اہل و عیال کے لیے اچھا جانشین بنا، وہ بھی غازی ہے۔

شہدائے اسلام فاؤنڈیشن



1995ء سے ملتِ مسلمہ پر عائد اسی قرض کی ادائیگی اور ہزاروں شہداء کے گھرانوں کی خدمت کے لئے ہمہ وقت مصروف عمل ہے۔ آیئے آپ بھی اس مقدس اور بابرکت اجتماعی فریضہ کی ادائیگی اور جہادِ اسلامی کی پشتی بانی کے لئے فاؤنڈیشن کے ہاتھ مضبوط کیجئے۔



- ★ ایک فیملی کی کفالت کی ذمہ داری سنبھال لیجئے۔
- ★ بچوں کے لئے تعلیمی وظائف کا اہتمام کیجئے۔
- ★ شہید کے گھرانے کے لئے کاروبار کا اہتمام کر کے دیجئے۔
- ★ عیدین کے موقع پر تحائف کا اہتمام کیجئے۔
- ★ مکانات کی تعمیر کے لئے عطیات دیجئے۔
- ★ شہید کی بچی، بچے، بہن، بھائی کی شادی کے اخراجات کا اہتمام کیجئے۔
- ★ شہید کے ذمہ واجب الادا قرض کی ادائیگی کے لئے تعاون کیجئے۔
- ★ دشمن کی قید میں موجود مجاہدین کی خدمت کیجئے۔









نقد عطیات جماعتِ اسلامی کے مقامی دفتر میں جمع کروا کر رسید حاصل کیجئے یا چیک، ڈرافٹ، منی آرڈر کی شکل میں براہِ راست ہمیں ارسال کیجئے۔

سرپرستِ اعلیٰ
قاضی حسین احمد

چیئرمین
حافظ محمد ادریس

66- ایف ماڈل ٹاؤن لاہور (پاکستان) فون: 5882989(042) فیکس: 7832194(042)

اخبار امت

چیچنیا: ایمان اور عزم کا نشان

رابرٹ ینگ پیلٹن

روس چند "دہشت گردوں" کو پکڑنے کے نام پر اپنے ہی وفاق کے ایک حصے کے لاکھوں شہریوں پر جو ناقابل بیان مظالم ڈھا رہا ہے وہ ۲۰ ویں صدی کے اختتام پر، جو یقیناً مغرب کی صدی رہی ہے، مغرب کے منہ پر کالک ملنے کے مترادف ہے۔ علم کی روشنی، سائنس کی ترقی، انسانی حقوق کا احترام، جمہوریت، آزادی، تہذیبی عروج لیکن چیچنیا کے آئینے میں اس تہذیب کا حقیقی چہرہ بڑا ہی بھیانک نظر آتا ہے۔ پھر جشن کس بات کے منائے جا رہے ہیں؟

مقابلہ ایک اور ہزار کا بھی نہیں۔ سابق سپرپاور (جس کا معذور صدر امریکہ کو جوہری دھمکی دینے کا حوصلہ رکھتا ہے) اپنی پوری طاقت کے ساتھ ایک چھوٹے سے علاقے کو زیر نگیں لانے کے لیے قتل و غارت میں مصروف ہے۔ مسلمان ممالک دم سادھے ہوئے ہیں۔ صدام نے تو آشیرباد دی ہے۔ مغربی ممالک بظاہر احتجاج کر رہے ہیں لیکن تباہی و بربادی ہفتوں بلکہ مہینوں سے مسلسل جاری ہے، جیسے روس پر دباؤ ڈالنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ دوسری طرف افغانستان جیسے پرامن ملک پر پابندیاں لگانے میں کوئی حیا نہیں (ہم بھی ان کا ساتھ دینے پر اپنے کو مجبور پاتے ہیں!)۔

روس کی ساری حکمت عملی ہی یہ ہے کہ "دہشت گردوں" کا سامنا نہ ہو جائے اور مئی ۱۹۹۶ کی تاریخ پھر نہ دہرا دی جائے۔ ماسکو میں کچھ کارروائیوں کا الزام چیچنوں پر رکھ کر (جو اس کی اپنی خفیہ پولیس کی کارروائی تھی) وہ چیچنیا پر حملہ آور ہو گیا ہے۔ بلاتکلف معاہدہ توڑ دیا گیا ہے۔ بے بس شہریوں سے تین سال قبل کی شکست کا انتقام لیا جا رہا ہے۔ جانتے ہیں کہ چیچنیو کے پاس ہوائی جہاز نہیں ہیں، اس لیے فضائی طاقت سے ایک ایک گھر اور ایک ایک سڑک کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ مسلسل میزائل چھٹے رہتے ہیں اور بم باری ہوتی رہتی ہے۔ پناہ گزینوں کے قافلوں کو بھی نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کیمیائی ہتھیار بھی استعمال کیے جا رہے ہیں۔ اب گروزنی میں مقابلہ ہوا ہے تو اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی جذبہ ایمانی کی طاقت سے جاں بازوں نے روس کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ روسی اپنی لاشوں کی جھوٹی تعداد بتا رہے ہیں۔

رہے ہیں۔ دوسری طرف چیچن صدر نے کہا ہے کہ لڑائی اب شروع ہوئی ہے' اور روس کو ۳ سال قبل جیسی شکست دی جائے گی۔ سب مبصر کہہ رہے ہیں کہ روس کی مکمل فتح ناممکن ہے۔

چیچنیا کے مجاہدوں کو اس امت کے ہر زندہ شخص کا سلام پہنچے!

چیچنیا کے محاذ پر کیا صورت حال ہے؟ روس کیا کچھ کر رہا ہے؟ چیچنیا کے عوام اور جاں باز کس طرح مقابلہ کر رہے ہیں؟ یہ بتانے کے لیے کسی پاکستان' مصر' انڈونیشیا یا کسی اور ملک سے کوئی مسلمان نامہ نگار دستیاب نہیں ہے۔ ہمارے انگریزی اخباروں میں مغربی نامہ نگاروں کی رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔ ہم ذیل میں گروزنی سے ارسال کردہ ایک رپورٹ کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ شاید اس طرح ہمارے قارئین اپنے آپ کو چند لمحات کے لیے گروزنی میں محسوس کریں۔ (مدیر)

گروزنی: اڑھائی کلومیٹر طویل درے میں پانچ گھنٹے کا سفر کرنے کے بعد جب ہم چیچنیا کی سرحد پر پہنچے تو ایک سرحدی محافظ نے ہمارا یوں استقبال کیا: "جہنم میں خوش آمدید!"

دوسری طرف کی سڑک بم باری سے تباہ ہو چکی تھی۔ دھماکوں سے ۱۰ میٹر گہرے گڑھے پڑے ہوئے تھے' اور ایک خالی جگہ میں روسی بارودی سرنگیں بچھی ہوئی تھیں۔ جو دو رضاکار ہمیں گروزنی لائے تھے' وہ اپنی زندگی کے لیے دعا کر کے چلے تھے۔

تین گھنٹے بعد' گروزنی نیچے وادی میں نظر آ رہا تھا۔ اور ہم اس پر ہونے والی بم باری کی آوازیں سن سکتے تھے۔ ایک نارنجی رنگ کا بم ہم نے فضا میں دو سو میٹر کی بلندی پر پھٹتے دیکھا۔

صبح ہم شہر میں داخل ہوئے۔ ہم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو اپنا حلیہ کچھ ٹھیک کیے اپنے سگریٹ سٹینڈ کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ گردونواح کے رہائشی بلاک بم باری سے تباہ ہو چکے تھے اور ۲۰ میٹر کے فاصلے پر ایک بس جو پناہ گزینوں کو لے جا رہی تھی براہ راست بم باری کا نشانہ بن چکی تھی۔ بس کے مڑے تڑے ڈھانچے کے علاوہ کچھ نہ بچا تھا--- یا ایک سلائی مشین جو سڑک کے درمیان پڑی تھی۔

سگریٹ فروخت کرنے والی خاتون نے بتایا کہ بس میں تیس افراد تھے۔ وہ اب تک یہاں کیوں تھی؟ "میں اور کہاں جا سکتی ہوں؟"

شہر اجڑا ہوا اور سنسان تھا۔ مگر چیچن جاں باز' بارہ افراد کی ٹکڑیوں کی شکل میں' جلد ہی اپنے مورچوں سے نکلے۔ انھوں نے کہا: "دنیا کو دکھاؤ کہ یہاں کیا ہو رہا ہے!"

ہم نے سنا تھا کہ شالی کا ایک چیچن کمانڈر ۱۶ روسی قیدیوں کو' جنوب مشرق میں لے گیا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو انھیں ہلاک کیا جا چکا تھا۔ کمانڈر نے وضاحت کی: "ہم نے روسیوں سے کہا تھا کہ آرگن (Argun) سے' جہاں تین روز قبل روسی قبضہ کر چکے تھے' شہریوں کے لیے محفوظ راستے کی ضمانت دی جائے۔ لیکن روسیوں نے کہا کہ ہمیں اپنے قیدیوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے' چنانچہ انھیں اس روز گولی

ماردی گئی۔ اگر روسیوں کو ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے' تو ہمیں تو قطعاً ان کی کوئی ضرورت نہیں"۔

ایک جاں باز آیا اور اس نے بتایا کہ مارکیٹ پر بم گرے ہیں۔ ایک جلتی ہوئی کار سے خون بہہ رہا تھا' اور سڑک پر ایک پلّا حیرت زدہ بیٹھا تھا۔ دو لڑکیاں جن کی عمر آٹھ اور ۱۰ برس تھی' زخمی تھیں اور ایک نوجوان کو گولے کا ٹکڑا لگنے سے چہرے پر زخم آیا تھا۔ ہمیں سیڑھیوں سے نیچے ایک گندے اور بدبودار تہ خانے میں لے جایا گیا جہاں صرف ایک بلب جل رہا تھا۔ دو ڈاکٹر ایک شخص کے چہرے پر کام میں مصروف تھے۔ انھوں نے مجھے کہا کہ باہر چلے جاؤ "یہ جراثیم سے پاک ماحول ہے!" انھیں اس وقت بھی مذاق سوجھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کوئی شخص باہر آیا اور اس نے بتایا کہ وہ شخص ہلاک ہو گیا ہے۔

چھوٹی بچی کی ران سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ وہ چیخ رہی تھی۔ اسے چلاتے ہوئے ایک عمارت میں لے جایا گیا جو بوڑھے لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ سیڑھیوں میں موم بتیاں نہیں تھیں' معلوم نہیں کیوں؟ اس بچی کی ماں نے اپنی روتی ہوئی بچی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "کیا یہ دہشت گرد ہے؟ کیا یہ ڈاکو (bandit) ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں روسی قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔

میرے اردگرد موجود بوڑھے لوگ مجھے دھکیل رہے تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ وہ اندھے تھے۔ گروزنی میں اندھا ہونے کا ذرا تصور تو کیجیے!

ایک نوجوان روسی خاتون ڈاکٹر نے کہا کہ وہ اس لیے رکی ہوئی ہے کہ ابھی اس کے پاس ادویات ہیں۔ "میں پریشان ہوں۔ کل کرچاؤلی سے دو نوجوان لڑکیاں آئی تھیں۔ وہ اندھی ہو چکی تھیں اور ان کے کندھوں اور سینے پر چھالے پڑے ہوئے تھے۔ روسیوں نے گیس استعمال کی ہے" اس نے کہا۔

یہ دوسری مرتبہ تھا' جب مجھے بتایا گیا کہ کیمیائی ہتھیار استعمال کیے گئے ہیں۔ پرسوں ایک شخص میرے پاس آیا تھا اور اس نے کہا کہ آواترک (Avaturk) میں اس کا بیٹا اپنی بینائی کھو چکا ہے۔ دوسرے افراد آتے رہے' کبھی کبھی پانچ ایک ساتھ' کوئی کہتا: "میں اپنے خاوند سے محروم ہو چکی ہوں"' یا کوئی کہتا: "میں اپنے خاندان سے محروم ہو چکی ہوں"۔ آہستہ آہستہ میرے لیے یہ بات خاص توجہ کے قابل نہیں رہی۔ جب مجھ سے روسی ڈاکٹر نے کہا تب مجھے یقین آیا کہ روسی واقعی گیس کا استعمال کر رہے ہیں۔

چیچنیا کی وزارت دفاع کے مطابق اوکتیابرسکی (Oktiabriski) اور آور تاکنو (Avurtakanov) میں گیس کے حملوں کے نتیجے میں ۱۳۱ افراد ہلاک اور ۲۰۰ زخمی ہو چکے ہیں۔ چیچنیا کی پارلیمنٹ کے سپیکر رسلان علی خدیجوو (Ruslan Ali Khidgiev) اور آرگن کے کمانڈر کرنل مرتضاووف (Murtazaev) نے بھی گیس کے استعمال کی تصدیق کی ہے۔

وہ ہمیں ایک ہسپتال میں لے گئے جو بم کے ٹکڑوں سے زخمی ہونے والے خواتین اور بچوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں بہت بدبو تھی۔ لوگ رستے ہوئے زخموں کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ انھیں

ہنگامی علاج معالجے کے بعد گھروں کو بھیج دیا جائے گا کیونکہ روسی' ہسپتال پر بھی بم باری کرتے ہیں۔

کوئی بھی ہتھیار نہیں مانگ رہا تھا' اور نہ کوئی خوراک اور پیسے کے لیے کہہ رہا تھا۔ وہ بل کلنٹن سے مزید تقاریر بھی نہیں چاہتے۔ "ہم آپ سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ روسیوں کو لوگوں کو ہلاک کرنے سے روکا جائے۔ ہمیں کچھ نہ سمجھاؤ۔ بس یہ کام کرو"۔ مجھے یہ تاثر نہیں ملا کہ وہ جلد ہمت ہارنے والے ہیں۔

کار خراب ہو گئی۔ ہم سڑک کے کنارے انتظار میں کھڑے ہو گئے اور ہمارے پاس کرنے کے لیے اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ برسنے والے میزائلوں کی گنتی کریں۔ آواز ایسی تھی جیسے کوئی دیو چل رہا ہو' جو ہر تیسرے سیکنڈ کے بعد ایک قدم اٹھا کر ایک گھر تباہ کر رہا ہو۔

بم باری صبح پانچ بجے سے ۱۱ بجے دن تک ہوتی ہے' وقفہ صرف کھانے کے وقت یا شفٹ کے تبدیل ہونے پر ہوتا ہے' اور پھر دو بجے دوپہر سے غروب آفتاب تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کمانڈر بھی رات کو شہر چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ جیسے کوئی خوف ناک واقعہ رونما ہونے والا ہے (روزنامہ ڈان ۱۱ دسمبر ۱۹۹۹' دی گارجین نیوز سروس۔ ترجمہ: امجد عباسی)

ملایشیا میں اسلامی پارٹی کی پیش رفت

محمد ایوب منیر

ملایشیا میں قومی انتخابات کا مرحلہ بخیروخوبی مکمل ہوا۔ ۱۱ ریاستوں کے انتخابات کے نتائج بھی سامنے آچکے ہیں' وزیراعظم مہاتیر محمد دو تہائی اکثریت کے ساتھ حکومت بنائیں گے اور اپنے اقتصادی پروگرام کو جاری و ساری رکھیں گے۔ ان انتخابات کی سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ اسلامی پارٹی ملایشیا (PAS) نہ صرف دو صوبوں کلنتان اور ترنگانو میں حکومت بنائے گی بلکہ وفاقی اسمبلی میں بھی حزب اختلاف کا کردار ادا کرے گی۔

ملایشیا میں آزادی کے بعد یہ دسویں انتخابات ہیں۔ ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ کی آبادی ہے اور اسمبلی میں نشستوں کی تعداد ۱۹۳ ہے۔ بارلیان نیشنال (BN) کے اتحاد نے ۱۴۸ نشستیں حاصل کی ہیں۔ اس اتحاد کی سب سے بڑی پارٹی ۱۸ سال سے برسراقتدار یونائیٹڈ ملے نیشنل آرگنائزیشن (UMNO) ہے جو سیکولر جمہوری چہرہ رکھتی ہے' اور اقتصادی ترقی کو اپنا مقصود قرار دیتی ہے۔ ۱۹۹۵ کے انتخابات میں اس حکمران پارٹی نے ۹۴ نشستیں حاصل کی تھیں اور اس مرتبہ ۷۲ نشستوں پر کامیابی حاصل کی ہے۔ ووٹوں کا تناسب ۶۵ فی صد تھا' جب کہ موجودہ انتخابات میں حاصل کردہ ووٹوں کا تناسب ۵۷ فی صد ہے۔ ملے چائنیز ایسوسی ایشن بھی حکمران پارٹی کی حلیف تھی اور اس نے ۲۷ نشستیں حاصل کیں۔ جمہوری پارٹی نے ۱۰ اور باقی نشستیں چھوٹی پارٹیوں نے حاصل کیں۔ سابق نائب وزیراعظم انور ابراہیم کی اہلیہ وان عزیزہ اسماعیل اپنے شوہر کے حلقہ انتخاب سے

کامیاب ہوئیں۔ ان کی پارٹی کے چار اور ممبران بھی کامیاب ہو گئے، تاہم میڈیا میں جس قدر انور ابراہیم کے حوالے سے خبریں آرہی تھیں، اس نسبت سے اس پارٹی کی مقبولیت کو دھچکا پہنچا ہے۔

اسلامی پارٹی ملایشیا نے ان انتخابات میں ۴۲ نشستوں پر انتخاب لڑا اور ۲۷ نشستیں حاصل کرلیں۔ ملے آبادی کے نصف ووٹ حزب اختلاف نے حاصل کیے۔ ملایشیا کی تاریخ میں پہلی بار اسمبلی کے اندر قائد حزب اقتدار اور قائد حزب اختلاف ملے ہوں گے، جب کہ قائد حزب اختلاف "پاس" کا نمایندہ ہو گا۔ "پاس" کی دوسری کامیابی یہ ہے کہ اس نے غریب کلنتان صوبے میں نہ صرف دوبارہ حکومت بنائی ہے بلکہ ترنگانو صوبے میں بھی اس نے ساری نشستیں جیت لی ہیں۔ ترنگانو کو یہ بھی خصوصیت حاصل ہے کہ ملک کے تیل کے ذخائر کا ۶۵ فی صد اس صوبے سے حاصل ہوتا ہے۔

ترنگانو میں کامیابی کے اعلان کے بعد شراب خانوں اور ڈانس گھروں کے مالکان نے اپنے لیے متبادل کاروبار تلاش کرنا شروع کر دیے ہیں (ہفت روزہ ایشیا ویک، ۱۰ دسمبر ۱۹۹۹)۔

"پاس" کی متوقع انتخابی پیش رفت روکنے کے لیے مہاتیر محمد کے معاشی پروگرام اور اقتصادی خوش حالی کی منزل کو انتخابی سلوگن بنایا گیا۔ شہرت یافتہ میڈیا اداروں کے ذریعے مضبوط و منظم مہم چلائی گئی۔ "پاس" کے امیدواروں کے بارے میں دکھایا گیا کہ یہ فرقہ پرست (communalist) ہیں، چینیوں، ہندوؤں اور ملایشیا کی دیگر اقلیتوں سے امتیازی سلوک کے علم بردار ہیں۔ عورتوں کو جبری طور پر حجاب پر مجبور کر دیں گے۔ شراب خانوں، تفریح کے مراکز، جوئے اور سٹے جیسی مروج اقتصادی اسکیموں کے مخالف ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ کہ کلنتان کی اقتصادی پیش رفت میں کوئی غیر معمولی اضافہ نہیں ہوا۔ اس سب کے باوجود "پاس" نے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ پارٹی کے نائب صدر مصطفیٰ علی نے واضح کر دیا کہ اقتصادی خوش حالی کی منزل اسلامی نظام سے ممکن ہے، شکست خوردہ "ایشین ٹائیگر" ماڈل سے نہیں۔

"پاس" کے قائدین: حاجی مصطفیٰ علی، عبدالہادی آوانگ اور سید ازمان احمد نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ کلنتان اور ترنگانو میں اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک نہ ہو گا۔ غیر مسلموں پر مجوزہ عائد ٹیکس کے حوالے سے انھوں نے کہا کہ پہلے سے عائد ٹیکسوں میں بھی چھوٹ دے دی جائے گی، تاہم قحبہ خانے، شراب خانے اور جوئے خانے کا اسلامی نظام میں جواز نہیں ہے۔ حجاب اختیار کرنے میں خواتین آزاد ہیں۔

انتخابات کے نتائج سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جمہوری فضا میں اسلامی احیا پسندوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے، تو ان کے آگے بڑھنے کے امکانات موجود ہیں۔ اکثر ممالک میں، اقتصادی ترقی کے خواہاں، اسلام کے روایتی پیروکاروں اور اسلامی نظام کے نفاذ کے علم برداروں میں کش مکش بڑھ رہی ہے اور اسلامی احیا کے علم بردار جب اپنی بات عوام الناس تک پہنچا دیتے ہیں تو انھیں ووٹ بھی ملتے ہیں۔

رسائل و مسائل

عائلی زندگی میں شکر و احسان کا رویہ

سوال : اگر عورت شوہر کے ' شریعت کے مطابق ' تمام حقوق پورے کرے ' اس کے کہے بغیر ہر کام کرتی رہے ' یعنی گھر کا ہر کام ' شوہر کے معمولی سے معمولی کام بھی اپنے ہاتھ سے کرے ' اور اس کے بچوں کی پرورش و دیکھ بھال کرے ' تو کیا وہ اس چیز کی بھی مستحق نہیں کہ کوئی اس کے ان کاموں کی جھوٹے منہ سے بھی تعریف کر دے ؟ اور اگر کبھی اس چیز کا احساس بھی دلایا جائے تو جواباً یہ کہا جائے کہ میرے اوپر کوئی احسان نہیں۔ اگر بیمار ہو جائے تو کئی دفعہ کہنے پہ دوا ملے اور اس میں بھی ناگواری کا تاثر ملے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر اگر عورت کو غصہ آجائے اور وہ یہ کہہ دے کہ اس سے تو بہتر ہے کہ میں خود کما کر کھا لوں--- ظاہر ہے کہ یہ رشتہ تو خلوص اور احساس کی بنیاد پر ہی ہے تاکہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا ہر طرح سے احساس ہو--- اگرچہ وہ گھر سے نہ گئی ہو ' اور قطع تعلق بھی نہ کیا گیا ہو ' تو اس سے نکاح پر اثر تو نہیں پڑتا ؟ یا اصلاح کرنے کے لیے اگر یہ کہہ دے کہ آپ مجھ سے خوش نہیں تو مجھے چھوڑ دیں اور دل سے وہ ایسا نہ چاہتی ہو ؟

جواب : آپ کے سوال میں دو پہلو غور طلب ہیں۔ ایک کا تعلق اسلامی معاشرت و اخلاق کے بنیادی اصولوں سے ہے ' اور دوسرے کا تعلق اسلام کے قانون طلاق سے۔ قرآن کریم نے اسلام کے نظام معاشرت میں شوہر اور بیوی کے درمیان تعلق کو مودت و رحمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا ہے۔ اس باہمی تعلق میں جذبۂ محبت ' ایثار و قربانی اور خبرگیری کے ساتھ جذبۂ شکر کی بھی غیر معمولی اہمیت ہے۔ قرآن کریم نے انسانوں اور رب کریم کے درمیان تعلق کی ایک اہم بنیاد شکر کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا : لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ○ (ابرٰہیم ۱۴ : ۷) اگر شکر گزار ہو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو احسانات کیے ہیں ' اس کا تقاضا ہے کہ اس کی مکمل عبدیت کے ذریعے شکر ادا کیا جائے۔ شکر کے نتیجے میں وہ ہم پر اپنی مزید رحمتیں اور نعمتیں نازل فرماتا ہے۔ یہی شکل قرآن و سنت نے انسانوں کے ساتھ ہمارے تعلق کے لیے تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ اگر شخص اپنے والدین ' اپنی بیوی اور دیگر

اقربا کے ساتھ شکر کا تعلق قائم نہیں کرتا، تو جادہ عدل سے ہٹ جاتا ہے۔

ایک شوہر عقد نکاح کے وقت گواہوں کے سامنے جس بات کا اقرار کرتا ہے وہ محض ایک خاتون کو حلال طریقے سے اپنے نکاح میں لانا نہیں ہے بلکہ ان تمام ذمہ داریوں اور حقوق و فرائض کی ادائیگی کا اقرار ہے جو شریعت نے ایک شوہر پر عائد کی ہیں۔ ان میں نہ صرف نان نفقہ اور دیگر سہولیات شامل ہیں بلکہ اس کی عزت و احترام اور محبت اولین اہمیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح عقد نکاح کے وقت ایک خاتون اس بات کا عہد کرتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال اور بستر کی پوری حفاظت کرے گی اور اس کی اولاد کی تربیت اسلامی روایات کے مطابق کرے گی۔ اس میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں آتا کہ وہ اس کے لیے کھانا، ناشتہ، چائے، گھر کی صفائی ستھرائی وغیرہ کرے گی۔

یہ کس طرح روا ہو سکتا ہے کہ ایک بیوی اپنے شوہر اور بچوں کے لیے صبح سے رات تک کھانا پکائے، گھر کی صفائی ستھرائی کرے، بچوں کے ہی نہیں، شوہر کے کپڑے دھوئے، استری کرے حتیٰ کہ شوہر کے موزے بھی، اور ان تمام احسانات کو یہ کہہ کر نظرانداز کر دیا جائے کہ ایسا تو کرنا ہی چاہیے تھا، اس میں کیا کمال کیا؟ قرآن و حدیث کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اچھی بیوی وہ ہے جسے دیکھ کر شوہر خوش ہو جائے لیکن شوہر کی توقعات اور مطالبات میں اسلام نے صرف ایک چیز کو بنیادی طور پر تسلیم کیا ہے اور وہ ہے شوہر کی ازدواجی ضرورت۔ وہ اس سے انکار نہیں کر سکتی الا یہ کہ کوئی عذر ہو (مرض یا بعض فطری وجوہات کی بنا پر اس قابل نہ ہونا)۔ اس کے علاوہ کسی معاملے میں یہ نہیں کہا گیا کہ اگر وہ کھانا خراب پکاتی ہے، کپڑوں پر استری نہیں کرتی، مکان کو خود صاف ستھرا نہیں کرتی، تو اپنے فرائض کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ مگر عملاً صورت حال یہ ہے کہ بہت سے مرد ازدواجی زندگی کا تصور ہی یہ کرتے ہیں کہ ان کی بیوی ان کے لیے شاہانہ انداز میں قسم قسم کے لذیذ کھانے پکائے، نفیس چائے تیار کرے، گھر میں جدید ترین انداز کی زیبائش و تزئین کرے، اور تمام کام کاج کرنے کے بعد کبھی شکایت نہ کرے کہ وہ تھک گئی ہے بلکہ ان کی مزید خواہشات پوری کرنے کے لیے بھی ہر وقت تیار رہے۔

درحقیقت صرف ازدواجی تعلق ایک ایسی ذمہ داری ہے جو شریعت نے ایک بیوی پر ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ تمام ذمہ داریاں ایک بیوی کی جانب سے شوہر کے لیے احسان اور صدقہ کی حیثیت رکھتی ہیں جس کا اجر، اور خود شوہر کی طرف سے اس کی تحسین لازمی ہے۔ دراصل شریعت کے ہر حکم کی بنیاد خود شریعت کے اصول پر ہے۔ ایک شوہر اگر مقدور رکھتا ہے، تو وہ اپنے لباس، گھر کے کام کاج اور کھانا پکانے کے لیے خدمت گار رکھ سکتا ہے، بازار سے کھانا لا سکتا ہے، یا جا کر کھا سکتا ہے، لیکن وہ اپنی ازدواجی ضرورت بازار سے پوری نہیں کر سکتا۔ گویا اس کے علاوہ بقیہ ذمہ داریاں اگر ایک بیوی خوش اسلوبی سے اور محض کام

چکانے کے خیال سے نہیں بلکہ خیرخواہی اور کام میں دلچسپی لیتے ہوئے ادا کرتی ہے' تو وہ معاشی اور انتظامی طور پر شوہر کو ایک اچھے خاصے بوجھ سے بچاتی ہے۔ اس پر ایک شوہر کو اخلاقی طور پر اس کا شکرگزار ہونا چاہیے کیونکہ قرآن کریم کا اصول ہے: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ○ (الرحمٰن ۵۵: ۶۰) نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

یہ بات تو عام انسانی اخلاق کے بھی خلاف ہے کہ بیوی تو شوہر کی ہر بات اور عمل کی شکرگزار ہو اور شوہر' بیوی سے ہمیشہ ناشکری کا رویہ رکھے۔ وہ اس کی اولاد کی تربیت کرے' گھر کی دیکھ بھال کرے اور وہ سارے کام کرے جو اسے خوش کرنے والے ہوں' پھر بھی وہ بیوی کا شکرگزار نہ ہو۔ قرآن کے واضح حکم: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج (النساء ۴:۱۹) "اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو" کی روشنی میں شوہر کا طرزِ عمل اپنی بیوی کے حوالے سے صرف اور صرف بھلائی' نرمی اور شکرگزاری کا ہی ہو سکتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے: خیارکم خیرکم نساءھم' تم ہی میں سے اچھے وہ ہیں جو اپنی عورتوں سے اچھے ہیں۔

ان گزارشات کی روشنی میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ایک شوہر کا اپنی بیوی کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا' ناشکری ہے' اور ہم سب جانتے ہیں اللہ تعالیٰ ناشکری کو پسند نہیں فرماتا۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں کچھ اس طرح کا کلچر بن گیا ہے کہ عورت خدمت کرنے کے لیے ہے' اور مرد خدمت لینے کے لیے۔ عورت شوہر ہی نہیں' اس کے سب گھروالوں کی بھی خدمت کرتی ہے اور عموماً جوابی احساس تشکر اور حسن سلوک سے محروم رہتی ہے۔ ان خدمات کو اس کا بنیادی فریضہ سمجھا جاتا ہے' احسان نہیں۔ عموماً گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹانے کو شان مردانگی کے خلاف تصور کیا جاتا ہے۔ ہمارے سامنے اللہ کے رسولؐ کا اسوہ ہے کہ آپؐ ہر طرح کی اجتماعی ذمہ داریوں کے باوجود گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ ان مسلمان مردوں کو جو اپنے گھروں میں تند و ترش ہو کر رہتے ہیں' اور اسی کا ایک اظہار' ہر طرح کی خدمت کے باوجود' اپنی رفیقہ حیات کا احسان مند اور شکرگزار نہ ہونے کی روش ہے' اپنے بارے میں سوچنا چاہیے۔ یہ تو حد سے گزرنے والی بات ہے کہ رفیقہ حیات کو یہ شکایت ہو کہ بیمار ہونے پر دوا بھی کئی دفعہ کہنے پر ناگواری سے دی جائے۔

آپ کے سوال میں دوسرے نکتے کا تعلق اسلام کے نظام طلاق و خلع سے ہے۔ جس طرح اسلام نے شوہر کو طلاق کا حق دیا ہے' ویسے ہی بیوی کو "خلع" کا حق دیا ہے۔ اگر ایک خاتون اس نیت سے کہ وہ طلاق حاصل کرنا چاہتی ہو' ایسے الفاظ میں شوہر سے مطالبہ کرے جو واضح طور پر یا کنایتاً طلاق کی طرف اشارہ کرتے ہوں' شریعت میں اسے "خلع" کہا جاتا ہے۔ شوہر کی جانب سے طلاق دینے کی شکل میں پہلی طلاق کے بعد حق رجوع رہتا ہے' اور دوسری کے بعد تجدید نکاح کے بعد رشتہ ازدواج باقی رہتا ہے۔ لیکن خلع کی

نوعیت طلاق رجعی کی ہے' اس لیے طلاق کی طرح اس کو بھی سہل طور پر نہیں لیا جا سکتا۔ اسلامی شریعت میں خاندان کی عظمت و حرمت بہت زیادہ ہے اور اسلام نہیں چاہتا کہ اتنے اہم معاملات کو غیر سنجیدگی سے لیا جائے۔ اگر ایک بیوی خلع کی نیت سے کنایتاً بھی اس بات کا اظہار کرتی ہے' تو اس سے رشتے کی حلت میں فرق پڑ سکتا ہے۔ ہاں' اگر اس کی نیت خلع کی قطعاً نہ ہو اور' نہ اس کے الفاظ واضح طور پر خلع کا مطالبہ کریں' تو صرف ایسی شکل میں اسے خلع تصور نہیں کیا جائے گا۔ طلاق اور خلع کے معاملات سنگین نوعیت کے ہیں اور اسے ہنسی مذاق یا غصے کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔

اس اصول کی روشنی میں آپ کو چاہیے کہ جب تک فی الواقع خلع کی نیت نہ ہو' ایسے الفاظ استعمال نہ کریں جن سے اشارتاً بھی خلع کا مفہوم ادا ہوتا ہو۔

ہاں' گھریلو کاموں کے دباؤ میں' بغیر کسی نیت و ارادے کے یہ کہہ دینا کہ "اس سے تو بہتر ہے کہ میں خود کما کر کھالوں" اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بعض حضرات ہر جملے میں "واللہ" کہے بغیر اپنی بات مکمل نہیں سمجھتے۔ بہرحال اس سے احتراز کرنا چاہیے (ڈاکٹر انیس احمد)۔

کتاب نما

تحریک اخوان المسلمون' محمد شوقی ذکی۔ ترجمہ: ڈاکٹر رضوان علی ندوی۔ مجلس نشریات اسلام' ناظم آباد' کراچی ۷۴۶۰۰۔ صفحات: ۲۸۰۔ قیمت: ۷۲ روپے۔

اس وقت احیاے اسلام کی جو لہر مشرق و مغرب میں موضوع گفتگو ہے' ماضی قریب میں اس کا سرا برعظیم میں سید مودودیؒ کی جماعت اسلامی کے ساتھ ' بلکہ مصر میں حسن البناؒ کی اخوان المسلمون تک پہنچتا ہے۔ ۶۰ کے عشرے کے بعد کی نوجوان نسل کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ اس دور کے نوجوانوں کا دل کس طرح اخوان المسلمون کے زیروبم کے ساتھ دھڑکتا تھا' اور ان پر گزری اپنے پر گزری محسوس ہوتی تھی۔

ہمارے لٹریچر میں ایک کمی اسلامی تحریکوں کے معروضی مطالعوں کی ہے۔ اس وقت دنیا میں جہاں جہاں اسلامی تحریکیں برپا ہیں' ان کی کارگزاری کا تحقیقی و معروضی مطالعہ خود ان تحریکوں کو درپیش بہت سی الجھنوں کو دور کر کے ان کی عملی رہنمائی کا سبب بن سکتا ہے لیکن اس کی کوئی روایت نظر نہیں آتی۔ زیرنظر کتاب ۵۰ کے عشرے کے اوائل کا پی ایچ ڈی مقالہ ہے جس کا اردو ترجمہ اس وقت ڈاکٹر رضوان علی ندوی نے مکتبہ الحسنات' رام پور سے شائع کیا تھا۔ اب ڈاکٹر صاحب نے اسے دوبارہ شائع کروانے کا اہتمام کیا ہے (اس کتاب کا مقدمہ "اخوان المسلمون: ۱۹۵۲ کے بعد' مشاہدات و تاثرات" کے عنوان سے ترجمان القرآن کے ستمبر ۱۹۹۹ کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے)۔

اخوان کے بارے میں ایک عام تاثر یہ ہے کہ یہ عظیم تحریک لٹریچر اور نظم کے بغیر صرف پرجوش تقریروں اور جذبات کے بل پر قائم ہوئی اور چلی۔ یہ کتاب حقیقی صورت حال کو پیش کرتی ہے۔ فوجی انقلاب تک کے دور پر یہ ایک جامع دستاویز ہے۔ دعوت و تربیت' رفاہ وخدمت' خواتین اور نوجوان' سب شعبوں میں کام کا جائزہ سامنے آتا ہے۔ حلقوں' شعبوں اور منطقوں کے جو چارٹ پیش کیے گئے ہیں وہ کسی طرح بھی اس سے کم نظم کا اظہار نہیں کرتے جس سے ہمارے ملک میں تحریک اسلامی کا کام کیا گیا ہے۔ یہ کتاب نصف صدی قبل کا مطالعہ ہے'"اس کے بعد انسانیت کا قافلہ بہت سا سفر طے کر چکا ہے" لیکن آج بھی تحریک اسلامی کا کام کرنے والوں کے لیے اس کتاب میں نہ صرف علمی پیاس بجھانے بلکہ عملی رہنمائی کا سامان بھی موجود ہے۔ صاحب مقالہ نے آخری باب میں جو نتائج نکالے اور مشورے دیے ہیں' وہ اپنے

اپنے حالات میں ہر تحریک کے لیے قابل غور ہیں۔ اخوان سے واقفیت کے لیے بھی یہ کتاب بہت مفید ہے۔ تحریک میں کام کرنے والوں سے زیادہ، تحریک چلانے والوں کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے (مسلم سجاد)۔

(۱) **کتاب الدعا، کتاب الذکر۔** (۲) **کتاب الجنائز،** سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ ناشر: البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۷۵، ۱۰۴۔ قیمت: ۲۷ روپے، ۳۰ روپے۔

مبارک مسجد (عبدالکریم روڈ، لاہور) میں مولانا مودودیؒ مشکوٰۃ سے تسلسل سے درس حدیث دیا کرتے تھے۔ ان دروس پر مشتمل تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں (کتاب الصوم، فضائل قرآن، مرتبہ: حفیظ الرحمٰن احسن۔ افادات مودودیؒ، مرتبہ: میاں خورشید انور)۔ اب اختر حجازی صاحب نے ہفت روزہ ایشیا میں ۱۹۶۶ میں شائع شدہ مذکورہ بالا ابواب کے دروس شائع کیے ہیں۔ مولانا کے اصل دروس مفصل تھے، اس کی مختصر رپورٹ ایشیا میں چھپتی رہی۔ بہتر ہوتا کہ ٹیپ سے مکمل تشریحات اخذ کر کے شائع کی جاتیں۔ بہرحال اختصار کے باوجود، مولانا کے انداز کی اپنی دل کشی ہے کہ سننے والا اپنا جائزہ لیتا چلا جاتا ہے اور عمل کا جذبہ بھی بیدار ہوتا ہے۔

پہلی کتاب میں، دعا اور ذکر پر احادیث کی تشریح سے ان دونوں موضوعات کے بارے میں ضروری معلومات قاری کے علم میں آ جاتی ہیں، اور بعض ایسے مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں جو احادیث کے حوالے سے ذہن کو پریشان کرتے ہیں۔

دوسری کتاب میں، غسل، جنازہ، تدفین، میت پر رونا اور زیارت قبور کے پانچ ابواب میں ۱۳۲ احادیث کا درس پیش کیا گیا ہے۔ احادیث کا عربی متن بھی دیا گیا ہے۔ بہت سی ایسی رائج الوقت غلط رسوم کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے جنھیں عوام الناس دین کا تقاضا سمجھ کر پورا کرتے ہیں۔

تعجب ہے کہ مولانا مودودیؒ کے انتقال کو ۲۰ برس گزر گئے مگر ایسی مفید اور قابل اشاعت چیزیں ابھی تک تشنۂ تحقیق و اشاعت ہیں۔ ان پر تحقیق کر کے، افادہ عام کے لیے انھیں مرتب و شائع کرنا مولانا مودودیؒ کے نام لیواؤں کا فرض ہے۔ یہ کسی ادارے کا کام ہونا چاہیے (م-س)۔

دریچۂ زنداں، حافظ محمد ادریس۔ ناشر: مکتبہ احیائے دین، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۲۲۱۔ قیمت: ۷۰ روپے۔

"زندانیات" ادب کی ایک قابل توجہ صنف نثر ہے۔ تحریک مجاہدین کے محمد جعفر تھانیسری کی کالا پانی غالباً اس سلسلے کی اولین تصنیف ہے۔ ازاں بعد متعدد ادیبوں، صحافیوں، سیاست دانوں اور علمانے اپنے ایام اسیری کی رودادیں قلم بند کر کے شائع کیں۔ حافظ محمد ادریس صاحب ان سیکڑوں اسیروں میں

شامل تھے' جنھیں واجپائی کی آمد اور "اعلان لاہور" کے موقع پر ۲۰ فروری ۱۹۹۹ء کو احتجاجی جلسے سے گرفتار کر کے' نہایت غیر مہذب' وحشیانہ انداز میں جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ یہ روداد قیدوبند قسط وار ہفت روزہ ایشیا میں شائع ہوتی رہی' اب اسے کتابی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم کے مطابق اللہ کے نیک بندے ہر دور میں طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار کیے جاتے رہے۔ قیدوبند کی صعوبت بھی ایک اذیت ناک آزمائش ہے' مگر حق پرستوں نے اسے ہمیشہ نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا' بلکہ اسیری نے ان کے ایمان و ایقان میں اضافہ کیا' اور ان کے کردار و عمل میں پختگی پیدا کی۔ دوسری طرف ان اوراق سے حکمرانوں کی ذہنی کم مائیگی' پستی اور کم ظرفی کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

دریچہ زنداں کا ہر باب سبق آموز ہے اور عبرت خیز بھی' مثلاً: "چیچہ وطنی کے پیر زبیر ہاشمی کو ۷۰ سال کی عمر میں جب تھانے میں ڈنڈوں سے نوازا جا رہا تھا تو تاریخ دم بخود تھی۔ اللہ کے راستے میں اور جہاد کے میدان میں تین بیٹے قربان کرنے والے اس سفید ریش ضعیف العمر کو یہ تمغے نواز شریف کا کارنامہ ہے" (ص ۵۷)۔ عبدالرشید ترابی اور کمانڈر شمشیر خاں کو ڈیرہ غازی خاں جیل منتقل کیا گیا تو ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں (ص ۶۶)۔ واجپائی کی آمد کے خلاف احتجاج کرنے والے نوجوانوں پر اتنا تشدد کیا گیا ان کے جسم سیاہ اور نیلے ہو چکے تھے (ص ۳۶)۔ ساہیوال جیل کی بارک میں وضو کے لیے مطلوبہ مقدار میں پانی بھی میسر نہیں تھا۔ "حقیقت یہ ہے کہ اکیسویں صدی کے دہانے پر کھڑے اگر کسی قوم کے سیاسی قیدی پانی سے محروم ہوں تو اس سے بڑا المیہ اور کیا ہو گا۔ اگر ہمارے موجودہ یا سابق حکمران ٹولے کو ایسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے تو آسمان سر پر اٹھا لیں" (ص ۱۴۴)--- یہ آخری جملہ' خدا جانے' حافظ صاحب نے کس کیفیت میں لکھا تھا۔ خیال رہے کہ انھی دنوں سپریم کورٹ کے سامنے نواز شریف صاحب نے واویلا کیا ہے کہ میں جیل میں ہر سہولت سے محروم کر دیا گیا ہوں۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

دریچہ زنداں محض ایک فرد کی روداد اسیری نہیں' بلکہ یہ پوری اسلامی تحریک کی سوچ' عزائم' تنظیم' تربیتی نظام' اپنے نصب العین سے کارکنوں کی وفاداری و وابستگی اور اپنے موقف پر ثبات و استقامت کی ایک جھلک پیش کرتی ہے۔ یہ تاریخ پاکستان کا بھی ایک اہم اور دل چسپ باب ہے۔ تاریخ و سیاسیات اور عمرانیات کے طلبہ کو اپنے مطالعات (studies) میں اس سے مدد ملے گی۔ رفیع الدین ہاشمی۔

اسلام اور دہشت گردی' سید معروف شاہ شیرازی۔ ناشر: ادارہ منشورات اسلامی' منصورہ' لاہور۔ صفحات: ۲۰۸۔ قیمت: درج نہیں۔

سید معروف شاہ شیرازی متعدد اسلامی اور دینی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انھوں نے مغربی ذرائع ابلاغ کی جانب سے مسلمانوں پر دہشت گردی کے الزام کا علمی جائزہ لیا ہے اور تاریخی و منطقی شواہد اور دلائل

سے اس الزام کو غیر حقیقی اور غلط ثابت کیا ہے۔ مصنف نے اسلام کی تعلیمات اور اس کے تمدنی اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے معاصر تاریخ کے حوالوں سے بھی مذکورہ الزام کی تردید کی ہے۔ آج دنیا میں جگہ جگہ استعماری طاقتیں مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہی ہیں۔ بوسنیا، کوسووا، اراکان، کشمیر اور چیچنیا اور فلسطین میں مسلمان نشانہ ظلم و ستم بنائے جا رہے ہیں۔ عراق ایران جنگ، افغانستان میں روسی جارحیت کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان قتل کیے گئے لیکن مظلوموں کو بے دریغ نشانہ ستم بنانے والے جب مظلوموں پر الزام تراشی کرتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے۔

افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنی غفلت اور عملی کوتاہیوں کے باعث مختلف خطوں میں استعمار کی غلامی میں جکڑے رہے۔ جس نے انھیں ان کے تہذیبی تشخص سے محروم کیا، ان میں نفاق و انتشار کے بیج بوئے، ان کی تمام توانائیاں نچوڑ ڈالیں اور اس طرح انھیں بدترین اقتصادی، تمدنی، سیاسی، تعلیمی اور اخلاقی زوال کی پستیوں میں دھکیل دیا۔ مسلمان جب بھی اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں یا استعمار کی مزاحمت کرنا چاہتے ہیں تو الٹا انھی کو موردِ الزام ٹھیرایا جاتا ہے اور ہر نوع کی لعنت و ملامت کا ہدف بھی وہی بنائے جاتے ہیں۔

مصنف نے بجاطور پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے والے اسلام کو سمجھ نہیں سکے۔ وہ لکھتے ہیں: "اسلام ڈیڑھ ہزار سال سے زندہ ہے اور ایک ہزار سال سے تو وہ اس طرح زندہ رہا ہے کہ اس کی پشت پر کوئی سیاسی قوت نہیں ہے۔ کوئی معاشرہ، کوئی کلچر، کوئی تہذیب اور کوئی نظام اتنی دیر تک بغیر سیاسی قوت کی پشت پناہی کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسلام کی حقانیت پر یہی دلیل کافی ہے۔ لہٰذا ہم آج کل کی متمدن اقوام سے گزارش کریں گے کہ وہ اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں"۔

"حیوانات پر رحم و شفقت" کے زیرِ عنوان، مصنف نے اس کتاب میں ڈاکٹر مصطفی السباعی کا مضمون ان کی کتاب کے اردو ترجمے ہماری تہذیب کے درخشاں پہلو سے لے کر شامل کیا ہے۔ نیز سید قطبؒ کی گراں قدر تحریر اسلام کا نظریہ جہاد بھی شاملِ کتاب کیا ہے جس سے اسلام کے تصورِ جہاد پر فکرانگیز روشنی پڑتی ہے۔

کتاب لائقِ مطالعہ ہے۔ افسوس کہ کمپیوٹر کتابت کی بعض غلطیاں درست نہیں ہو سکیں۔ (انیس احمد اعظمی)

Islam In Modern Age، ڈاکٹر خالد محمود شیخ۔ ناشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔ صفحات: ۱۷۶۔ قیمت: ۱۳۵ روپے۔

ڈاکٹر خالد محمود شیخ تدریس سے وابستہ ہیں۔ موجودہ تصنیف قومی اخبارات میں شائع شدہ ان کے گیارہ

مضامین کا مجموعہ ہے۔ سائنسی ترقی' معاشرتی ارتقا اور علوم و فنون کی غیر معمولی وسعت اور پھیلاؤ کے سبب یہ سوال بڑی شدومد سے اٹھایا جاتا ہے کہ دور جدید میں ہمیں راہنمائی کے لیے ماضی کی طرف دیکھنا ہو گا یا ہر راہنمائی سے بے نیاز ہو کر صرف قوت علم و مشاہدہ پر یقین کر لینا کافی ہے؟ مغرب کی چکاچوند سے مرعوب افراد کو یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہوتا کہ انفرادی طور پر آپ عبادات و رسوم بے شک ادا کرتے رہیں لیکن قوم کو ترقی کے راستے پر گامزن کرنے کے لیے ہمیں مغرب کو نمونہ بنانا ہو گا' امریکہ میں سوا دو سو سال سے انتخابات وقت پر ہو رہے ہیں' ناروے میں عام شہریوں کو بے انتہا سہولتیں حاصل ہیں' بیشتر یورپی ملکوں میں بچوں کی تعلیم و تربیت کی سہولیات مثالی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اس قسم کی آرا کے قبول عام کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کا نظام حکومت اپنی خوبیوں اور برکتوں کے ساتھ دنیا کے کسی حصے میں قائم نہیں ہے اور یوں عمرانی' معاشرتی' سیاسی اور اقتصادی تبدیلیوں کے سیل بے پناہ میں اسلام کا پیش کردہ حل صرف کتابوں تک محدود ہے۔

ڈاکٹر خالد محمود شیخ نے زیر نظر مضامین کے ذریعے اس کا جواب فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان مضامین میں ڈاکٹر صاحب نے مغربی دنیا' قومی انتشار' اسلامی دعوت اور دور جدید' رجوع الی القرآن' تصور عبادت جیسے موضوعات پر قلم اٹھایا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ کتاب کا پیش لفظ معروف اسکالر پروفیسر خورشید احمد کا تحریر کردہ ہے۔

مغرب کے حوالے سے انھوں نے قدیم اور جدید تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ سولھویں صدی عیسوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ صدی دنیا کی تاریخ کا تاریک ترین دور تھا" (ص ۱۰۹)۔ دور جدید کی مسیحیت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ "اس مذہب میں کبھی بھی وہ قوت نہیں رہی جو نظام تمدن اور تہذیب کے لیے ڈھانچا فراہم کر سکے" (ص ۱۱۰)۔ اسلامی نظام کی برکتوں کے بارے میں لکھتے ہیں: "اس میں استقرار بھی ہے اور تبدیلی کو قبول کرنے کی صلاحیت بھی" (ص ۱۱۱)۔ موجودہ حالات کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اخلاق اور اپنی تعلیمات کی برتری کا لوہا منوانا ہو گا' مغربی ٹکنالوجی کی مرعوبیت سے باہر نکلنا ہو گا (ص ۱۲۷)۔ ان کا کہنا بجا ہے کہ "مغرب کے لوگ انسانیت کے نام اللہ کا پیغام سمجھنے کی سنجیدہ خواہش رکھتے ہیں"۔ مگر اس راستے میں ہماری فرقہ بندیاں' فروعی اختلافات' معاشی ابتری اور حکومتوں کا رویہ بہت افسوس ناک ہے۔

اس کتاب کے پہلے سات مضامین اسلامی تعلیمات کی توضیح پر مشتمل ہیں۔ یہ ایک مستحسن کوشش ہے کہ دور جدید کی ضروریات کو تفصیلاً سمجھا بھی جائے اور مسائل کا حل فراہم کرنے کی کوشش بھی کی جائے۔ یہ سات مضامین الگ کتابی شکل میں شائع ہوتے تو زیادہ مناسب ہوتا' بہرحال ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ مغرب کے نظام فکر' فلسفے اور طرز عمل کے منفی پہلوؤں پر مسلسل اور جان دار تنقید کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ بعض مضامین تو خاصے طویل ہیں اور بعض کا انتہائی اختصار کھٹکتا ہے۔ قرآنی آیات پر اعراب'

حوالہ جات اور کتابیات کی شمولیت خوش آیند ہے۔ یہ کتاب انگریزی خواں طبقہ کے لیے اچھا تحفہ ہے
(محمد ایوب منیر)۔

مطبوعات موصولہ

☆ **محرف قرآن**، سید تصدق حسین بخاری۔ ناشر: ادارہ العلم والتحقیق، جامعہ ابی ہریرہؓ، خالق آباد، نوشہرہ۔ **صفحات:** ۲۷۰۔ **قیمت:** ۱۲۰ روپے [ضمنی عنوان: "سرسید احمد خاں اپنی تحریرات فاسدہ اور عقائد کاسدہ کے آئینے میں"... معراج النبیؐ، جنت دوزخ، ملائکہ، جنات، شیطان، وفات عیسیٰ وغیرہ کے بارے میں سرسید کے عقائد کا جائزہ]۔

☆ **جذب مہ کامل، کہکشاں**، ڈاکٹر سید محمد علی نجمی مرحوم۔ ناشر: ڈاکٹر ایس اے ناصر، ۸۷۔۳ جی نائن ٹو، اسلام آباد۔ **صفحات:** ۱۶۰۔ **قیمت:** ۱۰۰ روپے [انبالہ کے علاقے کے معروف معالج، مسلم لیگ انبالہ کے صدر، ڈاکٹر نجمی (۱۸۹۶۔۱۹۷۰) کا مجموعہ کلام، پختہ کلام، روایتی اسلوب]۔

☆ **جواہر سعید**، مرتبہ: ڈاکٹر قمر احسان۔ ناشر: ہمدرد فاؤنڈیشن، ناظم آباد، کراچی۔ **صفحات:** ۱۱۲۔ **قیمت:** ۶۰ روپے [حکیم محمد سعید شہید کی مختلف تحریروں سے اخذ کردہ حکیمانہ اقوال کا عمدہ مرقع]۔

☆ **مولانا عبدالمجید ندوی: کچھ یادیں، کچھ باتیں**، سلطان احمد اصلاحی۔ ناشر: ادارہ علم و ادب، ۴/۱۱۳۰ سی، حالی نگر، سرسید نگر، علی گڑھ۔ **صفحات:** ۶۳۔ **قیمت:** ۱۵ روپے [مدرسۃ الاصلاح اور بعد ازاں مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے استاد اور فقہ پر گہری نظر رکھنے والے درویش صفت عالم کا تذکرہ]۔

☆ **ماہنامہ پیام: "اقبال کا نظریۂ اجتہاد" نمبر**، مدیر اعلیٰ: ثاقب اکبر، ناشر: اخوت ٹرسٹ، مکان ۱۵۸۶، گلی ۸۰، آئی ٹن ون، اسلام آباد۔ **صفحات:** ۸۸۔ **قیمت:** ۱۵ روپے ["اقبال کا نظریۂ اجتہاد" کے موضوع پر ایک سیمی نار کے ۵ مقالات]
۔

☆ **استحکام وطن، پنجہ یہود میں**، عبدالرشید ارشد۔ ناشر: النور ٹرسٹ، جوہر پریس، جوہر آباد (ضلع خوشاب)۔ **صفحات:** ۴۸۔ **قیمت:** ۱۰ روپے [یہود کے خفیہ منصوبے ہمیں تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ملک کی بقا اور استحکام کے لیے تعلیمی، زرعی، صنعتی، معاشی اور دفاعی شعبوں میں ٹھوس اور حکیمانہ منصوبہ بندی ناگزیر ہے]۔

☆ **ہم مثالی کارکن کیسے بنیں؟** احمد علی محمودی۔ ناشر: مکتبہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ، حاصل پور، ضلع بہاول پور۔ **صفحات:** ۱۹۔ **قیمت:** ۶ روپے۔ فی سیکڑہ: ۴۰۰ روپے۔

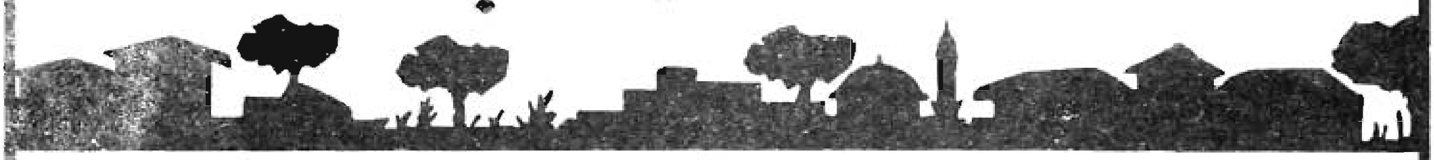
☆ **الحرا، مجلہ**، پبلک ہائی اسکول ٹنڈو محمد خاں۔ **صفحات:** ۹۶ [اس رسالے کی سب سے اہم خوبی تین زبانوں، اردو، انگریزی اور سندھی میں تحریروں کی اشاعت ہے۔ موضوعات میں بڑا تنوع ہے۔ اس میں اساتذہ اور بچوں کی ملی جلی تحریریں شامل ہیں۔ بحیثیت مجموعی یہ ایک اچھی کاوش ہے]۔

---

13 رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کا حامل اور آپکے کامل اعتماد کا مظہر

پمفلٹ مفت منگوائیں

احباب گروپ
آف کمپنیز



لاہور میں 7 | مری میں 3 | اسلام آباد میں 3

اسلام آباد سے متصل مرگلہ پہاڑ کے حسین دامن میں ایک نیا شہر | فیروزپور روڈ پر جونگی امر سدھو سے 2 کلو میٹر ایل ڈی اے سے منظور

منظر کوہسار

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ، سڑکیں، سیوریج، بجلی، پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان، مسجد، ہسپتال اور خوبصورت جھیل۔ ترقیاتی کام تیزی سے جاری ہے

موٹر وے انٹرچینج اور مجوزہ ایئر پورٹ سے صرف 8 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے اس جگہ کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے اسکیم کا بجلی کا ڈیزائن پاس ہو چکا ہے

شاداب کالونی

کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد، ... سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون، اور سوئی گیس کی سہولتیں موجود، سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب ... کام آخری مراحل میں ہیں۔ کنال 00...

گیلانی پارک

شاداب کالونی فیروزپور روڈ لاہور کے بلاک ... سے ملحق بہترین رہائشی منصوبہ جو تقریباً پایہ تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔ بجلی لگ چکی ہے۔ شاداب کالونی تمام سہولیات کیساتھ صرف 5 مرلہ اور 10 مرلہ پلاٹس برائے بکنگ

قیمت و طریقہ ادائیگی

٭ قیمت 35 ہزار روپے فی مرلہ مگر 31 جنوری 2000 تک بکنگ کرانے والوں کو 10 مرلے پر تیس ہزار روپے اور ایک کنال پر ایک لاکھ روپے کی عظیم رعایت، بکنگ کے لیے صرف 5 ہزار روپے فی مرلہ کا ڈرافٹ بنام احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ UBL وحدت روڈ اکاؤنٹ نمبر 1550 باقی رقم 36 ماہ میں 12 سہ ماہی قسطوں کی صورت میں ادا کرنا ہوگی۔ یکمشت ادائیگی پر 5 فیصد رعایت

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

ہٹ ہاؤس A-1 فیض روڈ مسلم ٹاؤن لاہور، فون 5869549-5865371 فیکس: 5837016
E-Mail : ahbab@nexlinx.net,pk
کراچی میں رابطے کے لیے: ایس ایم رضوی، C/43، بلاک 6، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ فون نمبر: 672903

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور سے شائع کیا

زخمی، معذور اور بیمار مجاہدین، مہاجرین کا ادارہ

کشمیر سرجیکل ہسپتال

زیر اہتمام: پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

- اکتوبر 1990 سے جون 1999 تک 360000 ہزار مریضوں کا مفت اور مکمل علاج کیا گیا۔
- 1000 سے زائد افراد کو فراسٹ بائٹ سے نجات دلا کر معذور ہونے سے بچایا گیا۔ (الحمد للہ)
- تمام مہاجرین اور عسکری تنظیموں کے مجاہدین کا مکمل اور مفت علاج کیا جا رہا ہے
- کشمیر سرجیکل ہسپتال کے تحت متحدہ جہاد کونسل میں شامل تمام تنظیموں کے کیمپوں میں 60 فرسٹ ایڈ سنٹر کام کر رہے ہیں
- روزانہ 250 سے 350 مریضوں کو مفت طبی امداد فراہم کی جاتی ہے
- ہسپتال کے زیر اہتمام مہاجرین کے کیمپوں میں چار مستقل ڈسپنسریاں اور چار ایمبولینس گاڑیاں ہمہ وقت مصروف کار ہیں جبکہ کیمپوں میں چار نئی ڈسپنسریاں قائم کی جا رہی ہیں۔
- مظفر آباد اور کوٹلی میں چار ایمبولنس گاڑیاں ہمہ وقت مصروف کار ہیں
- دو نئے وارڈز کی تعمیر جاری ہے
- معذور مجاہدین اور مہاجرین کو 800 سے زائد مصنوعی اعضاء لگائے گئے

ہسپتال کے لئے تعاون صرف کراس چیک / ڈرافٹ کی صورت میں ارسال کریں۔ ٹریولر چیک کی صورت میں رقم ارسال نہ کریں۔

کیا آپ کا بھی اس میں کوئی حصہ ہے





خوش نصیب ہے جو گھر بیٹھے

★ غزوہ ہند میں شریک ہے ★ اپنی ملت کی زخمی شہ رگ سے بہتے لہو پر مرہم رکھ رہا ہے ★ زخمی و معذور مجاہدین و مہاجرین کی خدمت اور عیادت کا ثواب حاصل کر رہا ہے ★ عظیم ملی فریضے کی ادائیگی کر رہا ہے

اور رسول ﷺ سے جنت کی بشارت پا رہا ہے (الحدیث) اور جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً بہت ہی محروم ہے

آپ نقد عطیات کے علاوہ ادویات کی صورت میں بھی مدد کر سکتے ہیں

تعاون کے لیے

ڈاکٹر محمود حسین گیلانی (میڈیکل سپرنٹنڈنٹ)

کشمیر سرجیکل ہسپتال پوسٹ بکس نمبر ... مظفر آباد، آزاد جموں کشمیر

فون 058810-3700

اکاؤنٹ نمبر 1128
بنک آف پنجاب
مظفر آباد آزاد کشمیر

C .P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

Monthly **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE.

